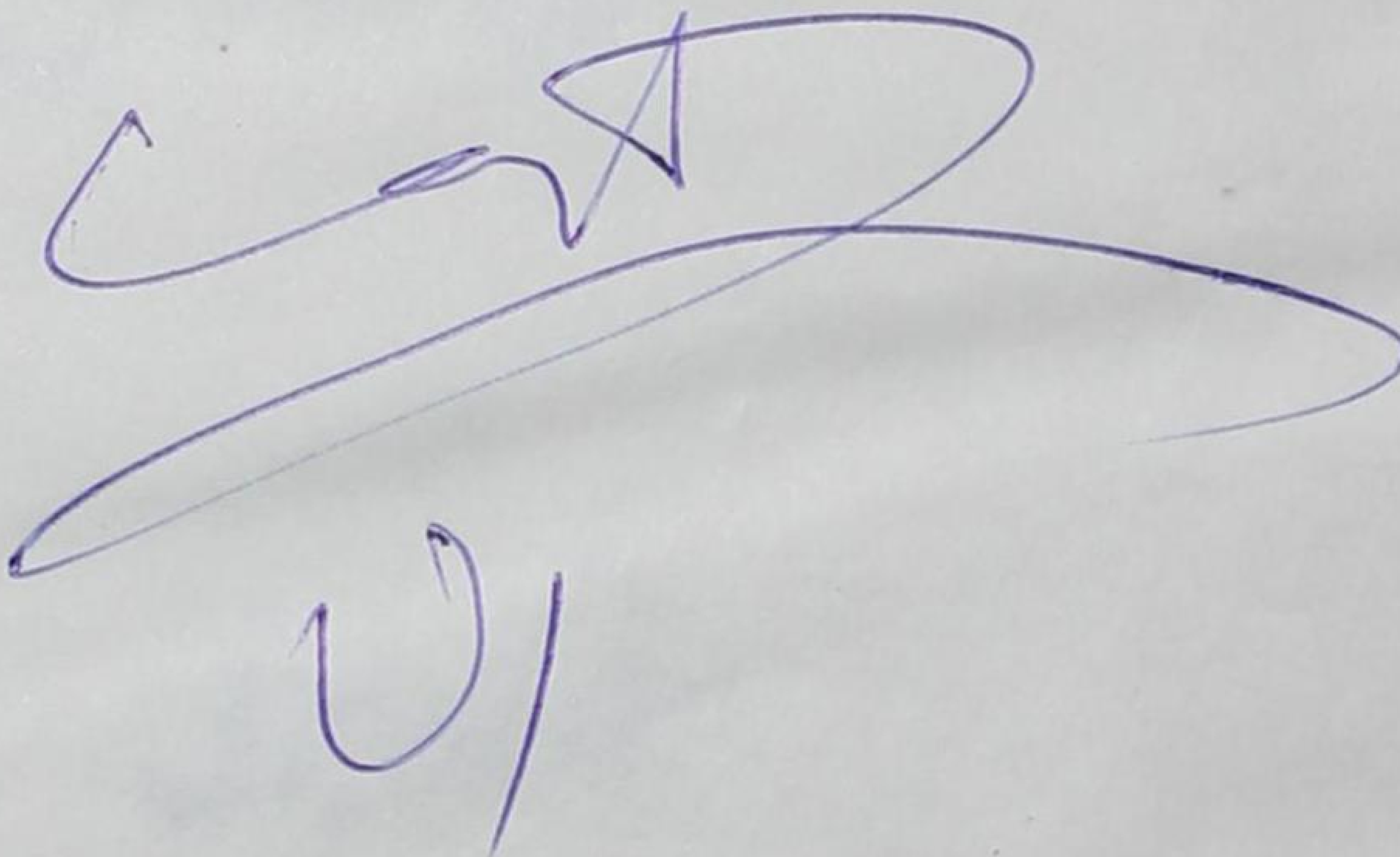
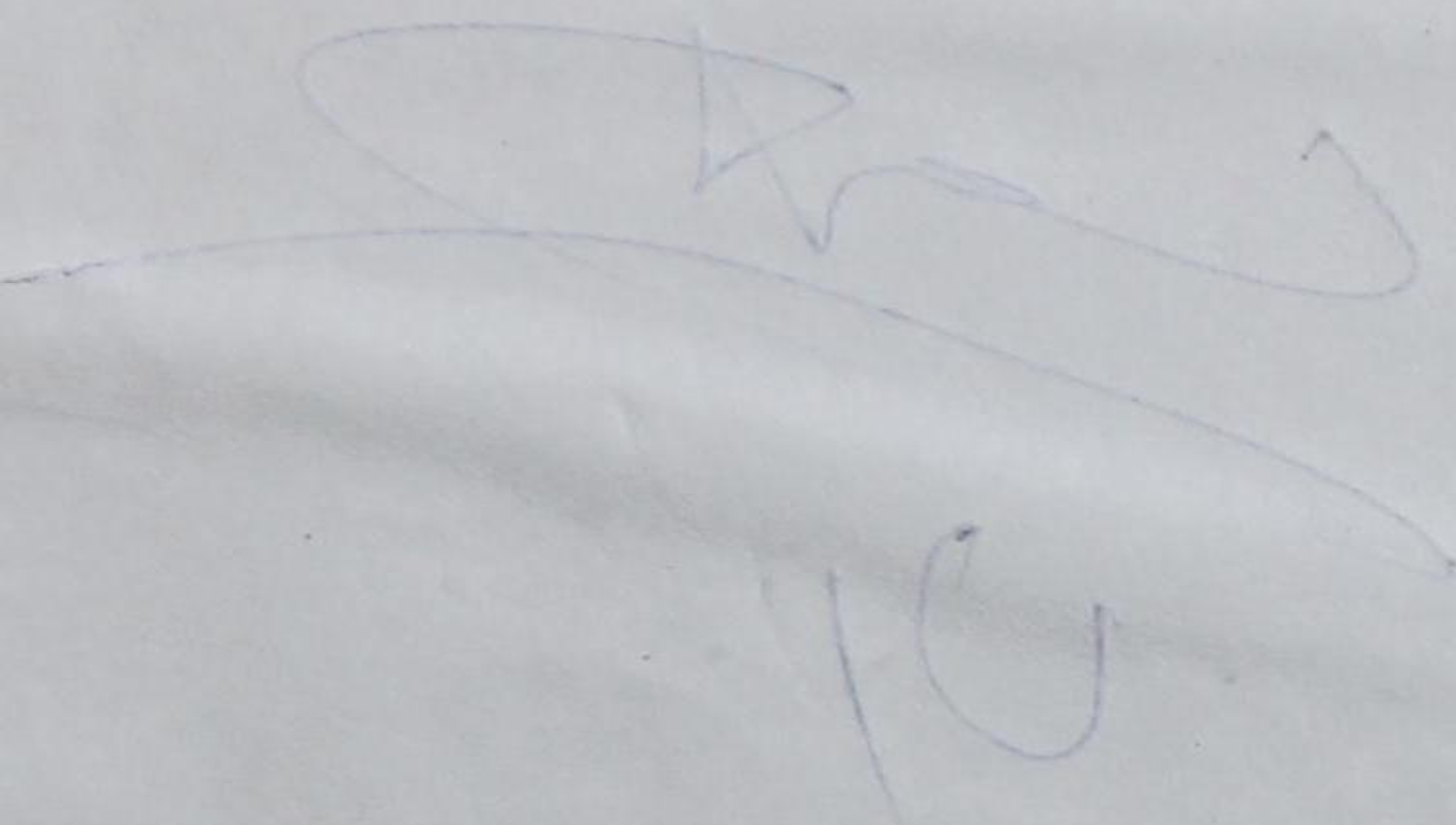




نبضِ دوراں

از

انور صابری

ناشر

اظہر صابری

صابری بک ڈپو۔ دیوبند۔ ضلع سہارنپور

صابری بک ڈپو گلی سرخ پوشاں چوڑیوالان دہلی

جُملہ حقوق

بحق ناشِر محفوظ ھیں!

بار اوّل — ایک ہزار (۱۰۰۰)

قیمت — تین روپے آٹھ آنے

جولائی سنہ ۱۹۵۸ء

الجمعیۃ پریس دہلی

ایک جانبازِ وطن شاعر کے کلام کو امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی رُوحِ مقدس سے معنون کرتے ہوئے مسرت و غم کی جو کیفیات دل و دماغ پر طاری ہیں - ان کا اندازہ مجاہدِ ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند اور مفکرِ قوم آنریبل حافظ محمد ابراہیم صاحب وزیر برقیات حکومت ہند سے زیادہ کس کو ہوسکتا ہے - جو نظر شناسانِ ابوالکلام میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، خدا کرے فدائے ابوالکلام کا یہ کلام اس مشن کا مکمل اشاراتی ترجمان ثابت ہو، جسے روحِ ابوالکلام ناتمام چھوڑ کر خلدِ بریں میں آرام فرما ہے -

ناشر

پیش رس

انورؔ صابری کی شاعری میں اُردو غزل کی آدھی صدی، اپنے پورے پیچ وخم، تجربوں کی رنگارنگی، چہل پہل اور تبدیلیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

وہ تمام کش مکش جو سماج اور انسانی طبقوں کے درمیان اس آدھی صدی میں جاری رہی، اتھل پتھل اور ستیزہ کاریوں کے وہ محرکات جو غزل اور زمانہ کو ٹکراتے اور ایک دوسرے سے قریب کرتے رہے، ہماری صدی کے ہر ادیب کے قلم اور شاعر کے شعور میں اپنی جگہ بنا چکے ہیں، اُن سے نظر بچا کر یا ارادتاً انہیں نظر انداز کرکے گذر جانا آج کے دانش وروں کے لئے ممکن نہیں ہے۔ مگر قیامت ہے کہ کچھ لوگ اس قسم کی کوششیں نہ صرف کرتے ہیں بلکہ اُنکی بہتر خواہش ہے کہ اور لوگ بھی انکی اس رجعت قہقہری کے شریک اور ذہنی قلابازیوں کے ہمنوا بن جائیں مسرت کی بات ہے کہ انورؔ صابری اس گروہ میں شامل نہیں اسکے برعکس انورؔ صابری کی شاعری، وقت کے تمام تقاضوں سے ہم آہنگ ہے اور تبدیلیوں کے لئے اس کا دامن ہمیشہ سے پھیلا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہرچند اس کی ابتدا اسٹیج سے ہوئی تھی لیکن رفتہ رفتہ اس نے اپنی سمت اور رُخ مقرر کرکے ترقی کے زینہ کو اپنا لیا۔ اور اسٹیج سے زندگی کے گرم اور صحت مند آغوش تک راہوں کے تمام نشیب و فراز، تمام پیچ در پیچ منزلوں کے شعور اور راستہ کے تجربوں کو ہر موڑ پر اپنے آپ میں جذب کرلیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج وہ خود

ہندوستان کے گنے چنے شاعروں میں ایک اہم شخصیت بن گئے ہیں، اور اُن کی شاعری کشمیر کی گُل پوش وادیوں اور یخ بستہ پہاڑی نالوں سے لے کر راجپوتانہ کے گرم اور تپتے ہوئے ریگستانوں تک، شمال کی خشک اور انتہا پسند فضا سے لیکر جنوب کی مرطوب لیکن معتدل آب و ہوا تک نہ صرف اپنی گونج، ترنم، تاثیر اور خوب صورتی کی داد حاصل کر چکی ہے بلکہ اپنے اس تمام احاطہ کا مجموعی تاثر اس نے سمیٹ لیا ہے اور وہ ہندوستان کے ہر حصہ میں اپنی بیش از بیش خصوصیات کے باعث مقبول و محبوب بن گئی ہے ؛

زیرِ نظر مجموعہ انور صابری کی صرف غزلوں کا مجموعہ ہے، اس میں ایک بھی نظم شامل نہیں، اس لئے ان کی پوری شاعری کے مجموعی تاثر اور رُخ کے متعلق کچھ کہنا درست نہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت شاید وہ تنہا شاعر ہیں جن کی شاعری میں بیک وقت سوز و گداز، آمد، رنگا رنگی، تازگی اور قوت اور رہنمائی کی وہ چھلکتی ہوئی خواہش دکھائی دیتی ہے جو ادب العالیہ کے لئے ضروری بلکہ اس کے خصائص لازمہ میں سے ہوتی ہے

جہاں تک اُن کی غزلیہ شاعری کا تعلق ہے، اس میں بھی اُن کی بہتر خصوصیات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ زمانے کی دھڑکنوں کا سنگیت، ماحول کی عکاسی اور اس کی تنقید، بلکہ اسے یکسر تبدیل کر دینے کی خواہشیں تجربوں کی باہم آمیزش اور حالات سے لڑنے کا مصمم ارادہ اس شاعری میں نہ صرف واضح طور پر دکھائی دیتا ہے، بلکہ فنّی پختگی اور اسلوب

کی خوب صورتی، اُن کی غزلوں کو وہ آب وتاب اور حوصلہ بخشتی ہے کہ پڑھنے والے کو خود بہ خود ان کی سحر کاری اور تاثیر کا احساس ہونے لگتا ہے اور وہ اس مترنّم، دل فریب، روحانی سکون اور شانتی سے لبریز فضا میں کھوکر رہ جاتا ہے جو انور صابری کی غزلیہ شاعری مجموعی حیثیت سے بناتی اور بہر حال اسے قائم رکھتی ہے ؎

غزل نے زمانے اور ماحول کے بڑے بڑے مصائب جھیلے ہیں، بڑے بڑے مراحل طے کئے ہیں، بڑے بڑے معرکے سر کئے ہیں، دشمنوں کی دوستی اور دوستوں کی دشمنی کا مزہ چکھا ہے، زندگی کی حقیقتوں اور سچائیوں کو اپنے دامن میں سمیٹا ہے تب کہیں جاکر وہ اِس قابل ہوئی ہے کہ بقول رشید احمد صدیقی وہ اُردو شاعری کی "آبرو" بن جانے کا شرف حاصل کرسکے ؛ میر و غالب سے لے کر آج تک ہر بڑے شاعر نے غزل میں اضافہ کیا ہے۔ اس کی میراث کو بڑھایا اور قیمتی بنایا ہے، اس نے نئے نئے تجربوں سے مالا مال کر دیا ہے، فانیؔ، جگرؔ، یگانہ، فراق اور فیضؔ نے اس میں ایسے ایسے تجربے سموئے ہیں، ایسے ایسے معاملات داخل کئے ہیں، ایسے ایسے عنصر کا اضافہ کیا ہے کہ اب یہ صنف دوسرے درجہ کے دانش وروں اور شاعروں کے بس کی بھی نہیں رہی، یوں کہنے کو تو ہر آدمی جسے شاعری سے تھوڑا بہت بھی تعلق ہے غزل کہہ سکتا ہے لیکن غزل کو اس کے ان تمام عناصر کے ساتھ کہنا جن سے اُس کا خمیر تیار ہوا ہے، ہرکس وناکس کے بس کا نہیں ہے، اس کے ساتھ نباہنے میں تو صرف وہی لوگ کامیاب ہوسکتے ہیں جن کی نظروں کے سامنے زندگی کے تمام

عناصر کا باہم رشتہ اپنی پوری باریکیوں اور رابطہ کے ساتھ عُریاں اور ظاہر ہو اور وہ اپنے مشاہدے اور قوتِ بیان میں ضبط و توازن کو حیرتناک حد تک برقرار رکھنے میں کامیاب رہ سکیں۔ انور صابری نے زندگی اور فن کے باہم رشتوں کے ربط اور حقائق کی سنجیدگی اور بالا دستی کا کہاں تک خیال رکھا ہے اور ان تمام تصورات و مشاہدات کے اجتماعی تاثر کو الفاظ و بیان کی شکل دیتے وقت ضبط و توازن کی باگ پر اپنا ہاتھ کہاں تک صحیح رکھا ہے، اسے ان اشعار کی مدد سے دیکھئے:

وجہِ آشوبِ جہاں پوچھ رہی ہے دُنیا
لب پہ کیا جانئے کیوں آپ کا نام آتا ہے

طُوفان کے آغوش میں نیند آنے لگی ہے
نزدیکیٔ ساحل کی حدیں اور گھٹا دو

مجھے تسلیم ہے قیدِ قفس سے موت بہتر ہے
نشیمن پر ہجومِ برق و باراں کون دیکھے گا

مانگو دُعائے خیر چمن کے لئے کہ آج
شعلے نکل رہے ہیں جبینِ بہار سے

لپکا ہے بگولہ سا ابھی اُن کی طرف کو
شاید کسی مجبور کی آہوں کا دُھواں تھا

اِسی فریب میں کاٹی ہے زندگی ہم نے
ہمارے سامنے انورؔ دُعا کا نام نہ لو

یہ اشعار کسی وقتِ نظر، کسی تلاش و کوشش یا چھان بین کے بعد انتخاب نہیں کئے گئے، بلکہ سرسری نظر سے ورق گردانی کرنے کے بعد لکھ دیئے گئے ہیں، ایسے بلکہ اُن سے کہیں اچھے اشعار کی زیرِ نظر مجموعہ میں کمی نہیں ہے۔ ہر صفحہ پر آپ کو ایسے اشعار مل جائیں گے جو شاعر کی بے نظیر شاعرانہ قوّت، مشاہدہ کے عمق، زندگی کے متعلق اُس کے نظریہ، جذبات کی شدّت، خلوص اور سچّائی کے نہ صرف مظہر ہیں بلکہ وہ پڑھنے والے کو بھی اس درجہ متاثر کرنے کی قوت رکھتے ہیں کہ اس کی ذہنی رو اور جذباتی اُمنگ بے اختیار اُن کے ساتھ مربوط اور ہم آہنگ ہوتی ہوئی محسوس ہونے لگتی ہے۔

انور صابری کی زندگی شورش اور ہنگاموں کی مرہونِ منت رہی ہے، اب تو اس میں بہت کچھ ٹھیراؤ اور سکون پیدا ہو گیا ہے لیکن ماضی قریب تک اُنہیں دن رات کے جلسوں، کانفرنسوں مشاعروں اور سیاسی اجتماعات سے فرصت نہیں ملتی تھی، اِن تمام ہنگاموں کا نتیجہ جہاں انکی زندگی میں شوریدگی

بے نیازی بلکہ انتشار پیدا کرنے کا باعث ہوا وہیں انکے ذریعے انہیں بصیرت، تجربہ مطالعہ اور مشاہدہ کا بھی بیش از بیش موقع ملا اور انسانی طبائع کی رنگا رنگی، انفرادیت، انسانوں کی نیت کی معصومی اور گمراہی نفسیات کی گہرائی اور سادگی، انسانی اُمنگوں اور آرزوؤں کا ادراک و عرفان اُنہیں انہی ہنگاموں کی بدولت حاصل ہوا یہی وجہ ہے کہ اُن کی شاعری میں جہاں نفسیات و عقلیت کا ایک انوکھا اور لائقِ تعریف امتزاج پایا جاتا ہے وہاں جذبہ کی سادگی، جوش اور پیرایۂ بیان کی دلفریبی اسے پُر تاثیر بنانے اور تغزّل کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے پیش پیش نظر آتی ہے وہ ذہنی طور پر نئے اور پرانے ادبی دَور کے درمیان ایک پُل کی حیثیت رکھتے ہیں، اور افراط و تفریط سے علیحدہ دونوں ادوار کے بہتر خصوصیات اور افادی عناصر کو اُنہوں نے اپنی شاعری میں جذب کر رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ ایکطرف تو وہ غزل کی ہیئت اور ٹکنک میں ادنیٰ سی تبدیلی کے بھی روادار نہیں، نہ ہی انہیں اس کے ڈھانچہ میں کسی قسم کی ترمیم یا اضافہ گوارا ہے لیکن دوسری طرف وہ نئے تقاضوں سے نہ صرف اچھی طرح آگاہ اور واقف ہیں، بلکہ نہایت خلوص اور ایمانداری کے ساتھ اُن کا استقبال کرتے اور نئی منزلوں کی جانب اپنی شاعری کو باقاعدہ متحرک رکھنے میں پیش پیش نظر آتے ہیں، وہ سماج اور ادب کے باہم رابطہ کو نہ صرف پیشِ نظر رکھتے ہیں بلکہ وہ ادب کو سماج کی تنقید بلکہ اُس کی رہنمائی کا فرض انجام دیتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں، وہ زندگی کے جمود ٹھیراؤ اور یک رنگی کو ترقی اور ارتقاء کے لئے مہلک سمجھتے ہیں، ایک انسان دوست اور قومی جدوجہد میں معتد بہ حصہ

لینے والے شاعر کی حیثیت سے اُنہیں ایک طبقہ کی آمرانہ ذہنیت سے شکوہ بھی ہوتا ہے اور سیاست کے جوہڑ سے نکلنے والی متعفن نالیوں کو وہ انسانی تہذیب اور شرافت کے سرچشمہ کے لئے نقصان دہ بھی سمجھتے ہیں، اُنہیں اس ذہن پر غصہ بھی آتا ہے جو انسانوں کو اپنی مفاد پرستی اور خود غرضی کے ماتحت مختلف خانوں اور طبقوں میں تقسیم کرتا اور اُن کے درمیان منافرت اور ترجیحی سلوک کی دیواریں کھڑی کر دیتا ہے ؛

تری محفل میں اب میری ضرورت پائی جاتی ہے
خموشی ہی خموشی ہے نہ شورش ہے نہ ہنگامہ

کہاں تک آپ بچائینگے آشیانوں کو
اگر یہی روشِ برقِ خانہ زاد رہی

جنہیں منزل پہ پہنچا کر میں خود بربادِ منزل ہوں
اُنہیں آیا نہیں میری وفا کا اعتبار اب بھی

نہ جانے کیا ہو گر پیرِ مغاں تک بات جا پہنچی
ابھی ہے درمیانِ جام و مینا شرِ میخانہ

عجیب آئینِ گلستاں ہے کھُلے ہیں صدیوں کے بعد اگر لب
چمن میں اعلان ہو رہا ہے کہ ہم زبانوں کو بھُول جاؤ

فلاحِ اہلِ چمن کی دُعا بھی جرم ہے آج
بہار کے لئے کلماتِ خیر ہیں پابند

میں ڈھونڈھتا ہوں جسے وہ سحر کب آئیگی
خموش رات، بھیانک فضا، اُداس چمن

اِدھر اُدھر یہاں وہاں، ہیں بجلیاں ہی بجلیاں
چمن چمن پھرد ں کہاں میں آشیاں لئے ہوئے

اور

کچھ لوگ بہاروں کا کفن بیچ رہے ہیں
رنگِ رُخِ نسرین و سمن بیچ رہے ہیں

اس دَور کے ایثار فروشانِ وفا سوز قربانیٔ یارانِ کہن بیچ رہے ہیں

جیسے اشعار ایک شاعر کی دردمندی، سوز، انسانی ہمدردی اور تنقیدی نظر کے ساتھ ساتھ اس کی قادرالکلامی اور فنی عظمت کو بھی ظاہر کرتے ہیں، ان اشعار کے پیچھے، جمہوری قوتوں کی پامالی اور انتشار کی جو کہانیاں ہیں اور سیاست کی گرم بازاری کے پس پردہ آمریت اور رجعت پسندی کے جیسے عفریت پوشیدہ ہیں، انور صابری ان سے واقف ہیں، یہ واقفیت، یہ پہچان، ان کی شاعری کو ایک نیا کردار اور نئی سمت دیتی ہے، تغزل سے بھرپور ان کے لہجہ میں کھٹک اور اضطراب پیدا کر کے ایک نئی لے، ایک نئی آواز اور ایک نیا آہنگ تخلیق کرتی ہے۔ سیاست اور تغزل کے اس ملاپ سے جو شاعری ظہور میں آتی ہے وہ ان کی انفرادیت کو قائم کرتی ہے، اس انفرادیت کو عظمت اور وقار عطا کرتی ہے جب وہ ؎

حدیثِ دل سنا دیتا ہوں کیوں شعروں کے پردہ میں
مرے افکار کو لوٹو مرا فن چھین لو مجھ سے

اس جبر مشیت کو تو سہنا ہی پڑے گا
بے کیف سہی ان کے اشاروں پہ جئے جا

چمن والوں میں ہے کہرام برپا
نئے فتنے اُچھالے جا رہے ہیں

قیامت ہے کہ اربابِ نشیمن
نشیمن سے نکالے جا رہے ہیں

وہاں ہوں ان دنوں انور جہاں برقِ حوادث کو
مجبوری نگہبانِ چمن کہنا ہی پڑتا ہے

جیسے اشعار میں اپنی دلی اذیت، اضطراب اور گھٹن کا اظہار کرتے ہیں ماحول میں ایک عجیب سی اُداسی، ایک عجیب سی پریشانی، حالات سے نفرت

اور انہیں بدل دینے کا احساس جاگ اُٹھتا ہے، اس طرح وہ اپنے اس فرض کو پورا کرنے میں کامیاب رہتے ہیں جو فن اور سماج کی طرف سے اُنہیں سونپا گیا تھا۔

انور صابری کی شاعری کا یہ پہلو جیسا کہ میں نے اس سے پہلے کہا ہے سیاست اور تغزل کا بہترا امتزاج اپنے اندر مخفی رکھتا ہے اور اس میں دونوں کی بہتر خصوصیات پائی جاتی ہیں، ان کی اس قسم کی شاعری مخاطبت اور موضوع دونوں کے اعتبار سے وسیع اور آفاقی ہے، اس میں فرد کے محدود جذبات کے بجائے اجتماعی احساس وواردات کی ترجمانی ہے، تغزل کے امتزاج کے باعث اس میں ایسی گھلاوٹ اور دلآویزی پیدا ہو گئی ہے جس نے اس میں کاٹ اور گداز پیدا کر دیا ہے لیکن ان کی وہ شاعری جس کے ڈانڈے عاشقانہ جذبات اور حسن وعشق کے معاملات وکوائف سے ملتے ہیں، اثر آفرینی، تاثیر، سادگی، اندازِ بیان اور گہری رمزی اور ایمائی کیفیتوں کی وجہ سے ایسی البیلی اور تازگی اور لہلہاہٹ سے اتنی بھرپور ہے کہ غالبؔ کے الفاظ میں جنت نگاہ اور فردوس گوش دونوں کی صفاتِ ضروریہ کو پورا کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے وہ ایک خانوادہ علم وفضل کے چشم وچراغ اور مشہور ترین سلسلۂ طریقت سے منسلک ایک شاعر ہیں، اس لئے تصوف اور ویدانت کی وہ خصوصیات جو انسان کے ذہن میں رواداری، روشن خیالی اور وسعت، اور قلب میں سوز وگداز، رقّت اور انسان دوستی کے جذبات پیدا کرتی ہیں، اُنھیں ورثہ میں ملی ہیں، اس پر ان کے عاشقانہ رجحان اور ہوس وبدمستی سے پاک رندانہ نظرئے انہیں

بقول مولانا ابوالکلام آزاد ایک ایسا فتیلہ بنا دیا ہے جو بھڑک اُٹھنے کے لیے ایک بے حقیقت شرارے کا متلاشی رہتا ہے بسپردگی' والہانہ کیفیت' چاہنے اور چاہے جانے کی اُبھرتی ہوئی' رسمساکر اُٹھتی ہوئی' کروٹیں لیتی ہوئی' جلیسی خواہش غزل کی صنف کا معمولی تقاضہ بنتی ہے' انور صابری کے ہاں اس کی جھلکیاں بڑے دلآویز اور خوب صورت انداز میں ملتی ہیں' تخیل کی کارپردازی شاداب جذبہ کا آب ورنگ اور ہلکی سی قنوطی لیکن غنائیت سے بھرپور لہر' اس شاعری کو منفرد اور بیش قیمت بناتی ہے' ان کی اس غزلیہ شاعری میں محبوب کے جسم اور جوانی کے رنگین تصورات سے بوجھل سانسوں کا ہر چند پتہ نہیں لیکن اس کے باوجود اس میں بڑی کشش اور طاقت ہے' روح اور جذبہ کے کیف سے بھری ہوئی ان کی یہ عشقیہ لے انسان کے دل پر گہرا اور پائیدار اثر چھوڑے بغیر نہیں رہتی.

چند شعر آپ بھی دیکھیے!

بیٹھا ہوں مشق کرکے میں جذبِ جمال کی —— اچھا یہی ہے آج' مرے سامنے نہ آؤ

پاس اتنا ہے اشکوں کو مرے ضبطِ فغاں کا —— آنکھوں سے برستے ہیں نمایاں نہیں ہوتے

میں ایسی موت پہ کردوں نثار عمرِ ابد —— وہ ہنس کے دیکھتے ہوں اور دم نکل جائے

یہ فریبِ جلوۂ یک نظر' مری چشمِ شوق کی موت ہے

مجھے چاہئیں وہ تجلّیاں' —— جو نظر سے مل کے جُدا نہ ہوں

کوئی تعلقِ خاطر تو ہے کہ تیری نظر —— بچا کے مجھ سے نظر بار بار گذری ہے

ازل سے ہوں تری قسم' اسیرِ زلفِ خم بہ خم

نصیبِ زندگی ہے غم تو مسکرا کے کیا کروں

ان اشعار میں جذبہ کی جیسی گہرائی، ایمانی کیفیت کے جس سحر اور عشقیہ احساس کی جس نکھری نکھری سے سابقہ پڑتا ہے، وہ فن کار کی شخصیت، قادرالکلامی اور گہرے عشقیہ رچاؤ سے بھرپور اور بوجھل ہے۔ ان کی اس قسم کی شاعری اردو غزل کے سارے تجربے، ساری وسعتیں، ساری عظمت و دلکشی اور آئندہ کے تمام امکانات کو اپنے اندر جذب کئے ہوئے ہے اس شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے اُردو شاعری کا پورا کا پورا قافلہ نظروں کے سامنے گذرتا ہوا اور اپنی بہتر خصوصیات کو نمایاں کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس اعتبار سے ان کی شاعری کو غمِ جاناں اور غمِ دوراں کے دونوں مصروف خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، انہوں نے اپنی ذہانت، بصیرت اور ادب و شعر سے والہانہ دلچسپی کی بدولت اپنی شاعری میں جن عناصر کو جذب کیا ہے، جن خصوصیات کو اپنایا ہے وہ اردو شاعری کی خوب صورتی، دلکشی اور دلآویزی میں ہمیشہ ہی سے اضافہ کرتی رہی ہیں، ان کی اس قسم کی شاعری تنہا انور صابری کی شاعری یا ایک فرد کے جذبہ کی ترجمان شاعری محسوس نہیں ہوتی بلکہ اس میں احساس و جذبات کی کارفرمائیوں نے ایک جہانِ معنی آباد کر دیا ہے۔ کسی مخصوص ماحول یا محدود فضا کے بجائے اسمیں پورا زمانہ سمٹ آیا ہے اور اس میں زمانہ کی پوری تبدیلیاں، سعادت و نحوست، پیچ و خم، گردش اور ٹھیراؤ، اضطراب و انتشار دیکھا جا سکتا ہے۔ بحیثیت مجموعی انور صابری کی شاعری زندگی اور کائنات کے حسین عناصر کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور یہی افتخار آفاقی ہو جانے اور ہمیشگی حاصل کر لینے کی قوت اس کے اندر داخل کرتا ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ میں ان کے فن کی عظمت اور خلاقانہ قوتوں کا ایسا مظاہرہ ہے اور ان کی شاعرانہ صلاحیتوں نے اس مظاہرہ میں اتنا طنطنہ قوت اور

وسعت پیدا کر دی ہے کہ ہم اسے بغیر نظر جھکائے، کسی بھی ملکی یا غیر ملکی فن کار کے شعری سرمائے کے مقابلے میں پیش کر سکتے ہیں، اُمید ہے کہ اشعار کا یہ بے نظیر گلدستہ جسے برادر عزیز اظہر صابری نے باقاعدہ اشاعتی حقوق حاصل کر کے زیورِ طبع سے آراستہ کیا ہے، اربابِ ذوق اور صاحبِ بصیرت احباب سے خراجِ تحسین حاصل کرے گا اور عام طور پر قبولیت عام کا طرّہ اس مجموعہ کے زیبِ فرق ہوگا۔ آخر میں چند اشعار سن لیجیے، جن میں انور صابری کا مخصوص رنگ نمایاں طور پر دکھائی دے سکتا ہے

تم اسے شکوہ سمجھ کر کس لئے شرما گئے
مدتوں کے بعد دیکھا تھا تو آنسو آ گئے

ہمہ زندگی ہمہ جستجو، ہمہ خامشی، ہمہ گفتگو
وہ حروفِ حسرت و آرزو جو زباں تک آ کے ادا نہ ہوں

کیوں اہلِ چمن طعنہ زنِ دستِ جنوں ہیں
خود اپنا نشیمن ہی تو برباد کیا ہے

خندہ برلب ہے جنوں لرزہ براندام خرد
زلف بردوش کوئی بر سرِ بام آتا ہے

رند ہوتے جو باشعور انور
کیا بتاؤں تمہیں، وہ کیا کرتے

آنسو تو ہزاروں بہتے ہیں بیتابیٔ دل میں اے انور
آنسو تو وہی اک قطرہ ہے جو آنکھ تک آئے بہہ نہ سکے

اور

ہم صبر و رضا کے بندوں کو اس بحث سے انور کیا مطلب
جو ہونے والی باتیں ہیں ہم چاہیں نہ چاہیں، ہوتی ہیں

جمیل مہدی - دیوبند
۱۲ر نومبر ۵۷ء

عرضِ حال

زندگی کے لطیف احساسات نے پہلی بار ۱۹۱۶ء میں فکرِ شعر کو اُبھارا۔ اس وقت حسن و عشق کے فلسفہ پر گہری نگاہ تھی۔ شعور بیدار تھا۔ اِس لئے یہ جذبہ رفتہ رفتہ بڑھتا گیا اور مجھے غزل کے سانچے میں ڈھالتا گیا۔ اب تک بہت کچھ کہا لیکن اکثر حصہ ضائع ہو گیا۔ ۱۹۲۱ء سے وطن و ملّت کی خدمات دامن گیرِ حیات ہو گئیں، اِس سلسلہ میں مصائب و آلام کی مسلسل یورشوں نے سوز و گداز کی خاموش لغزشوں کو گدگدایا اور مجاز وحقیقت کے ہر فرق کو مٹا کر شعر برائے حسن و عشق نہیں بلکہ شعر برائے خدمتِ عوام کہنے کی عادت ڈال دی :

عزیز اظہر صابری نے میری اُفتادِ طبع کے خلاف یہ مجموعۂ غزل مرتب کیا اور ترقی پسند ادب کے معیاری ادیب جمیل مہدی نے اس کی ترتیب میں مدد دی :

میں ماہرِ فن ہونے کا مدعی نہیں۔ خدمتگارِ ادب ضرور ہوں۔ اِس لئے بالغ نظر تر مطالعہ کے دوران اگر آپ کو کسی قسم کی لغزش نظر آئے تو اُسے میری بے بضاعتی علم کا پرتو سمجھ لیجئے :

انور صابری

○

ہزار بار نشیمن بنے اُجڑ جائے
مگر چمن پہ نہ یارب کبھی زوال آئے

خزاں کے تلخ نتائج بھی ناگوار نہیں
اگر بہار کے انداز میں بہار آئے

تمہارے در کے سوا جس کا آسرا ہی نہیں
وہ بدنصیب کہاں جا کے ہاتھ پھیلائے

میں ایسی موت پہ کر دوں نثار عمرِ ابد
وہ ہنس کے دیکھتے ہوں اور دم نکل جائے

ہیں سازِ عشق میں پنہاں کچھ ایسے نغمے بھی
اگر چھڑے تو مشیت بھی رقص فرمائے

جنونِ شوق کی راہِ طلب بدل نہ سکی
خرد نے لاکھ اسے سبز باغ دکھلائے

بلا خلوصِ محبّت سکوں ہے ناممکن
یہ بات آج کی دنیا کو کون سمجھائے
یہ دور ڈھال رہا ہے وہ پیکرِ انساں
جو خود تڑپ نہ سکے دوسروں کو تڑپائے
حیات اسکی ہے ننگِ حیات اے انور
وہ آدمی جو غمِ زندگی سے گھبرائے

○

جب تک تری نظروں کا اشارا نہیں ہوتا
جینے کا تصوّر بھی گوارا نہیں ہوتا
آنسو ہے وہی جس کو جگہ دے ترا دامن
ہر اشکِ حزیں عرش کا تارا نہیں ہوتا

الم کا انجام سامنے ہے، خوشی میں آنسو بہا رہا ہوں
چمن میں یوں رو رہا ہوں گویا گلوں کو ہنسنا سکھا رہا ہوں

نہ کر سکا ہوں نہ کر سکوں گا تعیّنِ منزلِ محبت
حدودِ عقل و خرد سے باہر جنوں کے ہمراہ جا رہا ہوں

ہزار پردوں میں چھپنے والی حقیقتوں کا پتہ لگا کر،
جو مٹ کے اپنے نہ بن سکے تھے، انھیں کو اپنا بنا رہا ہوں

خزاں در آغوش ہیں بہاریں، قفس بداماں ہے آشیانہ
کوئی مری سادگی تو دیکھے، سمجھ کے دھوکے میں آ رہا ہوں

یہی وہ مجبوریاں ہیں جن پر نہیں ہے کچھ اختیار اپنا،
ہزار صدمے ہیں دل پہ لیکن نہ جانے کیوں مسکرا رہا ہوں

حسیں تصوّر، حسیں تبسم، حسیں تخیّل، حسیں ترنم
دماغ و دل پر ہے وجد طاری، نظر کو بیہوش پا رہا ہوں

نوائے سازِ کہن سے انورؔ سرودِ نو مستعار لیکر
نئے زمانے کی محفلوں کو قدیم نغمے سُنا رہا ہوں

○

تسکینِ دل و جاں کیلئے بات تو ہوتی
اے کاش کبھی اُن سے ملاقات تو ہوتی
وہ سامنے آنے کا ارادہ کبھی کرتے
مایوس نظر وقفِ شکایات تو ہوتی
میخانہ بداماں نگہِ مست کے آگے
مستی ہمہ تن، رقصِ خرابات تو ہوتی
سینے میں ہی گھٹتی ہیں جگر سوز امنگیں
حاصل کبھی آزادیٔ جذبات تو ہوتی
آنکھوں کی نمی کام تو آتی کبھی انورؔ
قدموں پہ فدا، اشکوں کی سوغات تو ہوتی

تلخابۂ غم خندہ جبیں ہو کے پیے جا
موہوم امیدوں کے سہاروں پہ جیے جا

مایوس نہ ہو بے رخیٔ چشمِ جہاں سے
شائستۂ احساس! کوئی کام کیے جا

شکوہ نہ کر اس دورِ جنوں زاد کا کوئی
تقدیرِ خرد سوز کو الزام دیے جا

اوروں کے گریباں کی تجھے فکر ہی کیوں ہو
تو اپنی ہی صد چاکیٔ داماں کو سیے جا

ہر لمحہ تغیر یہ نگاہوں کو جمائے
تو جائزۂ گردشِ ایّام لیے جا

اِس جبرِ مشیّت کو تو سہنا ہی پڑے گا
بے کیف سہی، اُن کے اشاروں پہ جیے جا

ساقی کی نظر سے کوئی نسبت ہے تو انور
پینے کی ادا یہ بھی ہے، بے جام پئے جا

○

تمام عمر بہاروں سے کھیلتے گذری
چمن بدوش نظاروں سے کھیلتے گذری
جہاں ہے موج کے ہر رقص میں سکونِ حیات
اُنھیں حسین کناروں سے کھیلتے گذری
کبھی کنایۂ رنگیں ادا پہ دل مچلا،
کبھی خموش اِشاروں سے کھیلتے گذری
شبِ فراق امیدوں کے آسرے پہ کٹی
شبِ وصال ستاروں سے کھیلتے گذری
بہر قدم غرض انور بنامِ منزلِ شوق
وفا کی راہ گذاروں سے کھیلتے گذری

بڑھتی ہے جگر کی بے تابی مایوس نگاہیں ہوتی ہیں
جب بند ہر سو عالم میں امید کی راہیں ہوتی ہیں

ہر لمحہ کشادہ جنکے لئے افلاک کی راہیں ہوتی ہیں
آغوشِ محبت میں پنہاں کچھ ایسی بھی آہیں ہوتی ہیں

صد روحِ نشاط و خلدِ نظر، صد فتنۂ محشر در دامن
وہ اُن کا تبسم ہوتا ہے یہ میری کراہیں ہوتی ہیں

وہ دیکھنے آتے ہیں منظر - جب دل کی شکستِ پیہم کا
نظروں کی حفاظت کرنے کو، جلووں کی پناہیں ہوتی ہیں

ہم صبر و رضا کے بندوں کو اِس بحث سے انور کیا مطلب
جو ہونے والی باتیں ہیں، ہم چاہیں نہ چاہیں ہوتی ہیں

ایک شعر

تم اِسے شکوہ سمجھ کر کس لئے شرما گئے ÷ مُدتوں کے بعد دیکھا تھا تو آنسو آ گئے

غمِ زندگی کی حکائیتیں بھی شریکِ جرم و خطا نہ ہوں
میں سناؤں قصۂ وردِ دل، اگر آپ سُن کے خفا نہ ہوں

ہمہ زندگی ہمہ جستجو، ہمہ خامشی ہمہ گفتگو
وہ حروفِ حسرت و آرزو جو زباں تک آ کے ادا نہ ہوں

یہ فریبِ جلوۂ یک نظر، مری چشمِ شوق کی موت ہے
مجھے چاہئیں وہ تجلیاں، جو نظر سے مل کے جدا نہ ہوں

نہ کبھی نگاہِ کرم اٹھی، نہ کبھی جوابِ وفا ملا
کسی اور ہی کو خدا کہوں، اگر آپ میرے خدا نہ ہوں

جب انکی تجلّی پھولوں کے چہروں سے نمایاں ہوتی ہے
مستانہ ادا سے صبحِ چمن مسرورِ غزلخواں ہوتی ہے

اے مالکِ گلشن جانِ چمن شاید یہ تجھے معلوم نہیں
گلچیں کی قسم کانٹوں کی جبیں کلیوں کی نگہباں ہوتی ہے

○

دورِ حاضر ہو گیا ہے اسقدر کم آشنا
آشنا ہمدم ہے کوئی اب نہ ہمدم آشنا
آہ، کس منزل پہ پہنچی ہیں مری تنہائیاں
ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا مجھے غم آشنا،
مختصر یہ ہے مرے قلب و نظر کی داستاں
آشنائے دردِ دل ہے، آنکھ ہے نم آشنا
اللہ اللہ یہ فضائے دشمنِ مہر و وفا
آشنا کے نام سے ہوتا ہے برہم آشنا
عمر بھر انور رہوں گا آرزو کا سوگوار
مرگِ ارماں پر ازل سے ہوں میں ماتم آشنا

○

خدا چشمِ ساقی کی زد سے بچائے
وہ پیرِ مغاں کے قدم ڈگمگائے
پلانے پہ آئے تو یوں بھی پلائے
نہ ساغر سنبھالے نہ مینا اٹھائے
اُلجھنے کے سامان چاروں طرف ہیں
کہاں تک نظر اپنا دامن بچائے
کوئی موج ایسی بھی اے بحرِ مستی،
جوانی تو کیا زندگی جھوم جائے
وہ عالم بھی دیکھا ہے راتوں کا ہم نے
جہاں چاند تاروں کو بھی نیند آئے

ایک شعر

کیوں اہلِ چمن طعنہ زنِ دستِ جنوں ہیں ÷ خود اپنا نشیمن ہی تو برباد کیا ہے

○

وہ نیچی نگاہیں، وہ حیا یاد رہے گی
مِل کر بھی نہ ملنے کی ادا یاد رہے گی
ممکن ہے مرے بعد بھُلا دیں مجھے لیکن
تا عمر انھیں میری وفا یاد رہے گی
جب میں ہی نہیں یاد رفیقانِ سفر کو
حیراں ہوں کہ منزل انھیں کیا یاد رہے گی
کچھ یاد رہے یا نہ رہے ذکرِ گلستاں،
غنچوں کے چٹکنے کی صدا یاد رہے گی
محروم رہے اہلِ چمن نکہتِ گل سے
بیگانگیٔ موجِ صبا یاد رہے گی،
پلکوں پہ لرزتے رہے انورؔ جو شبِ غم
مجھ کو انھیں تاروں کی ضیا یاد رہے گی،

اُسے فکرِ غمِ دُنیا سے آخر واسطہ کیا ہے
جسے تم کہہ چکے اپنا پھر اس کا پوچھنا کیا ہے
اگر رسوائیوں سے کم نہیں ہوتا جنوں میرا
نہیں کہدو کہ پھر رُسوائیوں سے فائدہ کیا ہے
شکن ماتھے پہ، برہم ہے نظر، خاموش بیٹھے ہیں
نہ جانے بیخودی میں تو نے انور کہہ دیا کیا ہے

للہ الحمد یہاں بھی وہی ویرانی تھی
کبھی صحرا سے جو ہم بھول کے گھر تک پہنچے
دیکھ کر ڈوبتے تاروں کا بھیانک انجام
بڑی مشکل سے ہم آغازِ سحر تک پہنچے
زینتِ دامنِ محبوب ہوں شاید انور
وہ جو آنسو نہ کبھی دیدۂ تر تک پہنچے

○

جس کو شب بھر اندھیروں نے پالا
ہم کو بخشا گیا وہ اُجالا

وہ ہمیشہ رہے شاد جس نے
عشق کو غم کے سانچے میں ڈھالا

چھیڑتا ہے مجھے روز ساقی
اُن کی نظروں کا دے کر حوالا

کھا کے تقدیسِ کوثر کی قسمیں
پی گیا باوضو پینے والا

یاد رکھا تمہیں مرتے دم تک
اور کرتا بھی کیا مرنے والا

جن کی خاطر چمن بندیاں کیں
گُلستاں سے انھوں نے نکالا

رندِ بدمست تھا کل جو اَنور
آج بنتا ہے اللہ والا

○

وہ ابروئے مہ نو کے سانچے میں ڈھل کے
برابر کے مصرعے ہیں دونوں غزل کے
ہے جانِ محبت وہی ایک آنسو
جو پلکوں سے دامن تک آئے نہ ڈھل کے
نظر مستقل میکدہ بن گئی ہے
تری مست آنکھوں کے سائے میں پل کے
سُنا ہی گئے ہم انھیں قصۂ غم
ہر اک بات کے لاکھ پہلو بدل کے
حقیقت تجلّی کی پائیں تو کیوں کر
سحر ایک ہے اور لاکھوں دھندلکے

○

نظر کی تاریکیوں کو روشن بنانیوالے کو ڈھونڈھتا ہوں
چراغ دل کا بجھا ہوا ہے، جلانیوالے کو ڈھونڈھتا ہوں
قدم قدم پر مصیبتوں نے بدل دیا ہے مزاج میرا
کرم کی مجھکو نہیں ضرورت ستانیوالے کو ڈھونڈھتا ہوں
مری تلاش و طلب کا یہ رُخ تمام دُنیا سے ہے نرالا
حریفِ ارماں کی جستجو ہے مٹانے والے کو ڈھونڈھتا ہوں
گذرتے رہتے ہیں سامنے سے عدم کی راہوں پہ چلنے والے
نہ آنیوالے کو دیکھتا ہوں، نہ جانیوالے کو ڈھونڈھتا ہوں
نگاہ پُر سوز داغ دل میں اور آنکھ میں گرم گرم آنسو
بھڑک رہے ہیں جگر میں شعلے بجھانیوالے کو ڈھونڈھتا ہوں
حیات جسکی نوازشوں کے لطیف سائے میں سو گئی ہے
میں انورؔ ایسے حسین فسوں گر جگانیوالے کو ڈھونڈھتا ہوں،

رہتے ہوئے قریب جدا ہو گئے ہو تم
بندہ نواز جیسے خُدا ہو گئے ہو تم

مجبوریوں کو دیکھ کے اہلِ نیاز کی
شایانِ اعتبارِ جفا ہو گئے ہو تم

ہوتا نہیں ہے کوئی کسی کا جہاں رفیق
اُن منزلوں میں راہ نما ہو گئے ہو تم

تنہا تمہیں ہو جن کی محبّت کا آسرا
اُن بے کسوں کے دل کی دُعا ہو گئے ہو تم

دے کر نویدِ نغمۂ غم سازِ عشق کو
ٹوٹے ہوئے دلوں کی صدا ہو گئے ہو تم

انور گناہگار و خطا وار ہی سہی
سر تا بہ پا عطا ہی عطا ہو گئے ہو تم

○

آہ یہ اِذنِ محبّت، یہ تقاضائے جنوں
شدّتِ درد کو آرام دل و جاں سمجھوں
زندگی نام اِسی کا ہے تو میری توبہ
مُسکرانے کا تو کیا ذکر ہے رو بھی نہ سکوں
جا چکی رات، ستاروں کی جبیں ہے بے نور
مِل چکا اب مِری بے تاب نگاہوں کو سکوں
وہ جو اِک راز ہے مدّت سے نہاں سینے میں
سوچتا ہوں اُسے تم سے بھی کہوں یا نہ کہوں
پھر وہی میں ہوں وہی کشمکشِ ہجر و وصال
اُن کا مقصد ہے جہاں وہ ہیں وہاں میں نہ رہوں
تم خفا، زیست مخالف ہے، زمانہ دشمن
آسرا کوئی تو ہو جسکے سہارے پہ جیوں

واعظ یہاں، یہ وہم کی باتیں روا نہیں
مے خانہ ہے، مقامِ تلاشِ خدا نہیں
ایسا بھی انقلاب جہاں میں ہوا نہیں
سُورج نکل چکا ہے، اندھیرا گیا نہیں
وہ وسعتِ فروغِ سحر جانتا نہیں
تاریکیوں کی حد سے جو باہر گیا نہیں

زندگی بھر مرے کام آئے
اُن کی زلفوں کے رنگین سائے
ہائے وہ مست آنکھوں کا عالم
دیکھ کر جس کو سنبھلا نہ جائے
ہر قدم پر فدا تھیں بہاریں
جب وہ گلشن میں تشریف لائے

میں کیا ہوں کیا ہستی میری
اُن کی نظر کی ہیرا پھیری

اُن سے چلا ہے آنکھ مِلانے
ہائے رے دِل کی دیدہ دلیری

تذکرۂ مے، بر سرِ منبر
با ہمہ کیفِ جذبۂ سیری

پی لے تو کیا جانیئے کیا ہو
واعظِ خوش گو حالت تیری

وہ جلووں کا چڑھتا سورج
وہ زُلفوں کی چھاؤں گھنیری

اِس ماحول میں رہ کر انورؔ
دن میرے ہیں راتیں میری

○

وہ بے نقاب بزم میں کل آکے کیا گئے
جلتے ہوئے چراغ دلوں کے بجھا گئے
اپنا خیال اپنی نظر دے کے کیا گئے،
میرا نقاب میری نظر سے اٹھا گئے
اپنے سوا ہر ایک تصور مٹا گئے
جب وہ حدودِ چشمِ تمنا میں آگئے
بکھرا کے زلف رُخ پہ جو محفل میں آگئے
ایماں کو کفر، کفر کو ایماں بنا گئے
محشر میں بھی زبانِ شکایت نہ کھل سکی
جب سامنے نگاہ جھکائے وہ آگئے
فطرت کے سب حسین کمالاتِ زندگی
انورؔ دماغِ شاعرِ فطرت میں آگئے

اُنکے حضور باعثِ راحت ہے زندگی!
وہ سامنے نہ ہوں تو مصیبت ہی زندگی
سب کچھ ہے اُن کی چشم توجہ کے ساتھ ساتھ
یوں تو مجاز ہے، نہ حقیقت ہے زندگی
میں کیا ہوں اور کیا ہے مری زندگی کا راز
انکی قسم انھیں کی عنایت ہے زندگی
در سے کبھی نہ اُن کے اُٹھے گا شہر نیاز
جانِ حیات، جن کی بدولت ہے زندگی

جن کے آغوش میں ہے عشرتِ فردا اے دوست،
اُن فضاؤں کے تکدّر سے نہ گھبرا اے دوست
جس پہ دُنیا کو قیامت کا گماں ہوتا ہے،
بارہا ہم نے وہ دیکھا ہے تماشا اے دوست

○

اربابِ محبّت کو غم کے سانچوں میں بھی ڈھلنا پڑتا ہے
جس راہ میں کانٹے ہوتے ہیں اُس راہ پہ چلنا پڑتا ہے

اے ہمسفرانِ جادۂ دل، ہر ایک قدم پر تا منزل
اُفتاد یہ افتاد آتی ہے، گر گر کے سنبھلنا پڑتا ہے

ساحل کی طرف بڑھنے والو شاید یہ تمہیں معلوم نہیں
رُخ جانبِ طوفاں بھی اپنا، کشتی کو بدلنا پڑتا ہے

تعمیرِ چمن کے جذبوں کو تا حدِ چمن محدود نہ کر
خوشبوئے چمن کو گلشن سے باہر بھی نکلنا پڑتا ہے

جو سنگِ گراں بن جاتا ہے، تنظیمِ چمن کی راہوں میں
اپنا ہو کوئی یا بیگانہ، ٹھوکر سے کچلنا پڑتا ہے

جمہور کے خدمتگاروں کو یہ راز بھی انور سمجھا دو
پروانوں کے جلنے سے پہلے خود شمع کو جلنا پڑتا ہے

اشکوں پہ کوئی قابو ہی نہ تھا، دامانِ نظر میں رہ نہ سکے
کچھ وہ بھی یونہیں چپ چاپ رہے کچھ ہم بھی زباں سے کہہ نہ سکے
آئینۂ دل پاتا ہے جلا، جب چوٹ نظر کی پڑتی ہے
اُس دل کی کوئی قیمت ہی نہیں جو چوٹ نظر کی سہہ نہ سکے
معصوم نظر، تھرائے لب، آنکھوں میں نمی تو بہ توبہ
اِس طرح سے پوچھی حالتِ دل، ہم رو تو دیئے کچھ کہہ نہ سکے
آنسو تو ہزاروں بہتے ہیں بے تابیٔ غم میں اے انور
آنسو تو وہی اِک قطرہ ہے جو آنکھ تک آئے بہہ نہ سکے

کس نے آواز دی روتے روتے
چونک اُٹھا حُسن بھی سوتے سوتے

دردِ دل کی مجھے فکر کیوں ہو
ہو ہی جائے گا کم، ہوتے ہوتے

○

عقل کی شورش، نہ بنیادِ جنوں
زندگی کیا ہے مشیّت کا فسوں،
آنکھ ہے یا شبستانِ فراق
دل ہے یا گہوارۂ سوزِ دروں
تا کجا موہوم امیّدوں کی آس
تا کجا یوں یاس سے کھیلا کروں

مآلِ گریۂ شبنم سمجھ چکا ہوں میں
فریبِ خندۂ گل، دے نہ اے بہار مجھے
حریمِ ناز سے داغِ جگر کی صورت میں
عطا ہوئی ہے محبّت کی یادگار مجھے
تباہ کر کے مِری کائناتِ دل انور
وہ آرہے ہیں نظر خود بھی سوگوار مجھے

○

عمر گذری ہے التجا کرتے
قصۂ غم لب آشنا کرتے

جینے والے ترے بغیر اے دوست
مر نہ جاتے تو اور کیا کرتے

ہائے وہ قہر سادگی آمیز
کاش ہم پھر انھیں خفا کرتے

رنگ ہوتا کچھ اور دنیا کا
شیخ میرا اگر کہا کرتے

آپ کرتے جو احترام بتاں
بُتکدے خود خُدا خُدا کرتے

رند ہوتے جو باشعور انور
کیا بتاؤں تمھیں وہ کیا کرتے

○

دیکھتے ہی اُن کو، آنکھیں گریہ ساماں ہو گئیں
دل کی سب چوٹیں، نگاہوں سے نمایاں ہو گئیں

مشکلیں جتنی سپردِ بزمِ امکاں ہو گئیں
وہ مری قسمت کے افسانے کا عنواں ہو گئیں

ظلمت آبادِ خرد میں جس طرف گذرا ہے عشق
زندگانی کی نئی شمعیں فروزاں ہو گئیں

جوہرِ خونِ حنا دل ہیں وہی رعنائیاں
جو چمن میں عارضِ گُل سے نمایاں ہو گئیں

جن سے کی تعمیرِ فصلِ گُل، وہی رنگینیاں
بڑھتے بڑھتے وجہِ تخریبِ گلستاں ہو گئیں

کون آ کر مسکرایا دفعتاً گلشن میں آج
نغمہ بر لب گُل ہوئے، کلیاں غزلخواں ہو گئیں

اللہ اللہ ہجر کی شب عالم بیگانگی!

خود مری پرچھائیاں مجھ سے گریزاں ہوگئیں

آگیا ویراں کدے میں دل کے، یہ کس کا خیال

اشک غنچے بن گئے، آنکھیں گلستاں ہوگئیں

وحشتیں کل تک جو تھیں، ننگِ خرد، ننگِ حیات

اب وہی گہوارۂ ارباب زنداں ہوگئیں

تا بہ لب آئیں جو اے انور غزل کے رنگ میں

کچھ وہی آہیں سکونِ دل کا ساماں ہوگئیں

○

شب میں نکلے ہو گیسو سنوارے
چھپ نہ جائیں کہیں چاند تارے
حسرتِ زندگی کے سہارے
جی رہے ہیں محبّت کے مارے
بڑھتا جاتا ہے دامانِ طوفاں
ڈوبتے جا رہے ہیں کنارے
حاصلِ بندگی تھے وہ سجدے
جو ترے آستاں پر گذارے
زخمِ دل، سوزِ جاں، اشکِ پیہم
مجھ پہ کتنے ہیں احساں تمہارے
اُف وہ پہلی نظر کا تصادم
ہم تمہارے ہوئے، تم ہمارے

آ چکا اب کوئی آنے والا
اب تو بجھنے لگے ہیں ستارے
کوئی حد بھی ہو، آخر کہاں تک
موت کو زندگانی پکارے
یاد کو اپنی روکو، کہ مجھ کو
مرتے دم دے رہی ہے سہارے
ہوش میں لائے گی کیا جہاں کو
عقل دیوانگی کے سہارے
وہ پہنچتا ہے ساحل پہ انورؔ
جو تلاطم میں ہمّت نہ ہارے

○

تمہیں زندگانی کا حاصل سمجھ کر
دیا دل محبّت کے قابل سمجھ کر
میں اِس عارفانہ تجاہُل کے صدقے
ہر اِک دل کو توڑا مرا دِل سمجھ کر
خدا کی قسم! زندگی ہے اُسی کی
جو ڈوبا ہو موجوں کو ساحل سمجھ کر
خدا اُس مُسافر کی ہمّت بڑھائے
جو ٹھکرائے منزل کو منزل سمجھکر

خبر نہ تھی کہ عشق میں، یہ مرحلے بھی آئیں گے
وہ ہم سے رُوٹھ جائیں گے وہ ہم کو بھُول جائینگے
بہر قدم نئی نئی قیامتیں اُٹھائیں گے
نظر جھکائے آئیں گے نظر مِلا کے جائیں گے

فغاں بدوش والم درکنار گذری ہے
جہاں جہاں نگۂ بیقرار گذری ہے
قفس نصیب اسیروں کے سامنے سے ابھی
محل محل کے نسیم بہار گذری ہے
بنی فسانۂ طور و کلیم کا عنواں،
جو اک نظر ترے جلووں پہ بار گذری ہے
کوئی تعلقِ خاطر تو ہے کہ تیری نظر
بچا کے مجھ سے نظر بار بار گذری ہے
مصیبتوں پہ بھی کرتے ہوئے گمانِ کرم
حیاتِ عشق بھر اعتبار گذری ہے

○

وقت جب کروٹیں بدلتا ہے
فتنۂ حشر ساتھ چلتا ہے
موجِ غم سے ہی دل بہلتا ہے
یہ چراغ آندھیوں میں جلتا ہے
اُس کو طوفاں ڈبو نہیں سکتا
جو کناروں سے بچ کے چلتا ہے
کس کو معلوم ہے جنونِ حیات
سایۂ آگہی میں پلتا ہے
اُن کی محفل میں چل بہ ہوشِ تمام
کون گر کر یہاں سنبھلتا ہے
میں کروں کیوں نہ اس کی قدر انور
دل کے سانچے میں اشک ڈھلتا ہے

ہر نظر اشک بداماں ہے کوئی بات بھی ہے
ہر نفس سوزِ دل و جاں ہے کوئی بات بھی ہے
لوگ کہتے ہیں گیا کلفت و آلام کا دور
زندگی پھر بھی پریشاں ہے کوئی بات بھی ہے
آشیانوں میں اندھیروں کے سوا کچھ بھی نہیں،
قصرِ گلچیں میں چراغاں ہے کوئی بات بھی ہے
جس اُداسی کو زباں تک نہیں لاتا کوئی
جشنِ جمہور کا عنواں ہے کوئی بات بھی ہے
آدمیت کا سبق جس کی زباں پر ہے وہی
آدمیت سے گریزاں ہے کوئی بات بھی ہے
صبحِ عشرت جسے سمجھا ہے زمانہ انورؔ
مظہرِ شامِ غریباں ہے کوئی بات بھی ہے

سوزِ قلب و جگر کی بات کرو
خلشِ چشمِ تر کی بات کرو

چھیڑ کر داستانِ طور و کلیم
اپنی اپنی نظر کی بات کرو

تاکجا قصۂ فریبِ جمال
جلوۂ معتبر کی بات کرو

خُلد ہے جس کا پرتوِ رنگیں
کچھ اُسی خوش نظر کی بات کرو

اُن کے جلوؤں سے جس کو نسبت ہو
شبِ غم اُس سحر کی بات کرو

دیر و کعبہ سے کیا غرض انورؔ
یار کے سنگِ در کی بات کرو

مدّتوں سے مجھ پہ یہ احسان فرماتے نہیں
خواب میں آتے ہیں لیکن سامنے آتے نہیں

اُن شہیدانِ محبّت کی پرستش کیجیے
آخری دم تک شکایت لب پہ جو لاتے نہیں

حضرتِ ناصح، جنوں نا آشنائے اہلِ عشق
ہم کو سمجھاتے ہیں، اپنے دل کو سمجھاتے نہیں

ساحلِ اُمیّد تک ان کا پہنچنا ہے محال
بحرِ غم میں جو کبھی طوفاں سے ٹکراتے نہیں

کشمکش میں اہلِ ایماں ہیں بتوں کو چھوڑ کر
آپ انور جانبِ کعبہ کبھی جاتے نہیں

سببِ ترکِ ملاقات بھی ہے؟ ÷ یوں ہی برہم ہو کوئی بات بھی ہے؟

○

خلدِ چمنِ لالہ رخاں چھوڑ دیا ہے
آغوشِ مہ و کاہکشاں چھوڑ دیا ہے
اس کو بھی فریبِ نگہِ شوق سمجھ کر
یہ سلسلۂ کون و مکاں چھوڑ دیا ہے
بیزار تھا دل پہلے ہی اربابِ حرم سے
اب سایۂ دامانِ بُتاں چھوڑ دیا ہے
بیگانے ہی بیگانے نظر آتے ہیں ہر سُو
قسمت نے مجھے لا کے کہاں چھوڑ دیا ہے
فطرت نے پسِ خندۂ گُل روزِ ازل سے
احساسِ غمِ دورِ خزاں چھوڑ دیا ہے
کافی ہے ترے عشق کی نسبت مرے دل کو
تیرے ہی لیے تیرا جہاں چھوڑ دیا ہے

○

رنگِ رُخِ نسرین و سمن بیچ رہے ہیں
کچھ لوگ بہاروں کا کفن بیچ رہے ہیں
افسوس ہے ظلمت کدۂ غیر کی خاطر
چڑھتے ہوئے سورج کی کرن بیچ رہے ہیں
ذہنوں کا یہ افلاس ہے عبرت کا مرقع
اربابِ چمن حسنِ چمن بیچ رہے ہیں
دولت کے پجاری عوضِ شامِ غریباں
صبحِ طرب انگیزِ وطن بیچ رہے ہیں
اس دور کے ایثار فروشانِ وفا سوز
قربانیٔ یارانِ کہن بیچ رہے ہیں
رُوحوں کے بھی نیلام کی آجائے گی باری
بدلے میں زر و سیم کے تن بیچ رہے ہیں

○

تسکیں کے شبِ غم، یہ سہارے نظر آئے
پلکوں پہ مچلتے ہوئے تارے نظر آئے
یاد آگیا بھولا ہوا ماضی کا ہر اک غم
جب بھی ہمیں کچھ درد کے مارے نظر آئے
ہنستے ہوئے ساقی نے جدھر دیکھ لیا ہے
انوار کے بہتے ہوئے دھارے نظر آئے

اُف یہ بہار کا سماں، ہائے یہ نظمِ گلستاں
صبح بھی ہے اداس اداس، غمزدہ شام ہی نہیں
آپ کے ذکرِ خیر سے واسطۂ حیات ہے
آپ کی یاد کے سوا کچھ مجھے کام ہی نہیں
خیر سے بے شعور ہیں نغمہ طلب خواص بھی
بزم میں ناشناسِ فن، ذہنِ عوام ہی نہیں

○

مرے عزیز، مرے ہمدم و رفیقِ کہن،
نہ پوچھ مجھ سے حدیثِ بہار و رنگِ چمن
جو ظلمتِ نگہِ شوق کو مٹا دے گی
سحر کی گود میں خوابیدہ ہے ابھی وہ کرن
دماغ و روح کی تسکین ہو تو کیوں کر ہو
قدم قدم ہے مصیبت، نفس نفس الجھن
تلاشِ مرگ میں نکلی ہے زندگی کے لئے
یہ عقل کا ہے جنوں، یہ خرد کا پاگلپن
کسی قیامتِ تازہ کا پیش خیمہ ہے
عروسِ وقت کے ماتھے کی حشر زا شکن
نہیں ہے صورتِ آلام میں دلکشی نہ سہی
بہت حسین ہے لیکن مزاجِ شعر و سخن

○

اب بھی یہ تعلق باقی ہے، اب بھی یہ کرم فرماتے ہیں
جب کوئی خبر سُن لیتے ہیں، پُرسش کیلئے آجاتے ہیں

وہ آخرِ شب چُپکے چُپکے، جب یاد مجھے فرماتے ہیں
شبنم کی دھڑکتی ہے چھاتی، تاروں کو پسینے آتے ہیں

مجبورِ تماشہ ہوتے ہیں جب زیرِ نقاب اُنکے جلوے
دُنیا کی نظر سے بچنے کو، وہ میری نظر بن جاتے ہیں،

جب اُن کو ضرورت ہوتی ہے کچھ بات مجھے سمجھانے کی
بے ربط سے مبہم افسانے ہنس ہنس کے سنائے جاتے ہیں

وہ چھیڑتے ہیں جب ذکرِ وفا، ہوتا ہے عجب عالم اپنا
کچھ اشک چھپائے جاتے ہیں کچھ اشک بہائے جاتے ہیں

بازارِ وفا کا اے انور، دستور الگ ہے دُنیا سے
ہم نے تو یہاں یہ دیکھا ہے، جو کھوتے ہیں وہ پاتے ہیں

سمجھ کے فرض محبّت کی زندگی کے لئے
کیا ہے غم بھی گوارا تری خوشی کے لئے

مٹی نہ تیرگیٔ دل، جگر کے داغوں سے
چراغ ہم نے جلائے تھے روشنی کیلئے

کوئی مِلا نہ ان آبادیوں کے جنگل میں،
جو آدمی ہو وفا دوست، آدمی کے لئے

عجب ہے حسنِ تلوّن مزاج کا عالم
وفا کسی کے لئے ہے جفا کسی کے لئے

اُسے بھی ایک تبسّم نصیب ہو نہ سکا
چمن میں آگ لگائی تھی جس کلی کے لئے

وہ دُشمنی کی حقیقت سمجھ نہیں سکتا
فریب جس نے نہ کھائے ہوں دوستی کیلئے

نگاہ و دل سے گذری، داستاں تک بات جا پہنچی
مرے ہونٹوں سے نکلی اور کہاں تک بات جا پہنچی

بڑھا دردِ جگر، آہ و فغاں تک بات جا پہنچی
جواب تک راز تھی، وہ کُل جہاں تک بات جا پہنچی

ابھی ہے اختلافِ جام و مینا راز کی حد تک
نہ جانے کیا ہو گر پیرِ مغاں تک بات جا پہنچی

حریفوں نے یوں ہی دعویٰ کیا تھا جاں نثاری کا
مگر میری بدولت امتحاں تک بات جا پہنچی

سرِ محفل چھڑا جب تذکرہ مژگان و ابرو کا
بڑھی کچھ اس قدر تیغ و سناں تک بات جا پہنچی

صدا ناقوس کی اُبھری، اذاں سے جا کے ٹکرائی
بنامِ رزم، عزمِ خونفشاں تک بات جا پہنچی

بہم دست و گریباں تھے ابھی تک قافلے والے
مگر اب قتلِ میرِ کارواں تک بات جا پہنچی

سمجھتے تھے رہیگی جنگ، محدودِ گل و بلبل؛
مگر تخریبِ نظمِ گلستاں تک بات جا پہنچی

مآلِ جرمِ تقسیمِ چمن کیا کم تھا رونے کو
کہ اب فکر و ملالِ آشیاں تک بات جا پہنچی

چھپا رکھا تھا جسکو مدتوں سے دل میں اے انور
ہزار افسوس، وہ شرح و بیاں تک بات جا پہنچی

○

تجدیدِ رسم و راہِ ملاقات کیجئے
مجھ سے نظر ملا کے ذرا بات کیجئے
دیر و حرم میں روح کی تسکیں نہ ہو سکی
اب احترامِ پیرِ خرابات کیجئے
آخر جنابِ شیخ ہیں مہمانِ میکدہ
دو چار جام دے کے مدارات کیجئے
گفتارِ تلخ شیوۂ واعظ ہے میکشو
شیریں دہن کی آپ سے کیا بات کیجئے
آیا ہے کوئی پرسشِ احوال کے لئے
پیش آنسوؤں کی آپ بھی سوغات کیجئے
انورؔ خیالِ دوست میں لکھ کر کوئی غزل
تکمیلِ ترجمانئِ جذبات کیجئے

○

لب رہے خاموش، اشکِ بے زباں کہتے رہے
ہم نہ کہتے پر بھی دِل کی داستاں کہتے رہے
شوق سے سُنتے رہے وہ شرحِ سِرِّ دلبراں
ہم بعنوانِ حدیثِ دیگراں کہتے رہے
اُن اسیروں کو کبھی چُھو کر نہ گزری فصلِ گُل
جو قفس ہی کو ہمیشہ آشیاں کہتے رہے
چھیڑنے کا یہ بھی اک انداز تھا اُن کے حضور
اپنی سعیٔ کامراں کو رائیگاں کہتے رہے
اپنی یہ خوش اعتقادی عمر بھر جاری رہی
وہ ستم کرتے رہے، ہم امتحاں کہتے رہے
کوئی سمجھا یا نہ سمجھا اِس سے انور کیا غرض
شعر کے پردے میں ہم رازِ نہاں کہتے رہے

بے کیفیٔ غم کے عالم میں مجبور اگیوں جی لیتا ہوں
جب تشنگیٔ دل بڑھتی ہے، کچھ خونِ جگر پی لیتا ہوں
نشتر زنِ دل اُن نظروں پر الزام نہیں آنے دیتا
ناسُور جو بننے لگتے ہیں، مُنہ زخموں کا سی لیتا ہوں
پہلے تو یہ عالم تھا میرا، مینخانے کھنگالا کرتا تھا
اب رُوح لرزنے لگتی ہے اک گھونٹ اگر پی لیتا ہوں
کچھ دن سے نہ جانے کیوں آلودہ پرسشِ غم فرماتے ہیں
اب اِس کے سوا کیا ان سے کہوں، ناشاد سہی جی لیتا ہوں

ظلمت کا کلیجہ چیر کے خود بیدار سحر ہو جائے گی،
مفلس کی فغاں بڑھتے بڑھتے مانوسِ اثر ہو جائیگی،
جس سُرخ سویرے کی خاطر نظروں کے تقاضے مضطر تھے
اس سُرخ سویرے کی سب کو دنیا میں خبر ہو جائیگی

○

ہر سانس میں خود اپنے نہ ہونے کا گماں تھا
وہ سامنے آئے تو مجھے ہوش کہاں تھا

کرتی ہیں اُلٹ پھیر یونہی ان کی نگاہیں
کعبہ ہے وہیں آج صنم خانہ جہاں تھا

تقصیر نظر دیکھنے والوں کی ہے ورنہ
اُن کا کوئی جلوہ نہ عیاں تھا نہ نہاں تھا

بدلی جو ذرا چشمِ مشیت کوئی دم کو
ہر سمت بپا محشرِ فریاد و فغاں تھا

لپکا ہے بگولہ سا ابھی ان کی طرف کو
شاید کسی مجبور کی آہوں کا دھواں تھا

انور مرے کام آئی قیامت میں ندامت
رحمت کا تقاضہ مرا ہر اشکِ رواں تھا

○

یہ چاندنی رات اور یہ معصوم فضائیں
اے کاش وہ اس وقت مجھے یاد نہ آئیں

اے کاش نہ پھر زینتِ آغوشِ نظر ہوں
رُک رُک کے برستی ہوئی ساون کی گھٹائیں

وہ پھر بھی سمجھ جاتے ہیں مفہومِ شکایت
ہم لاکھ حدیثِ دگراں کہہ کے سُنائیں

اک آپ کے بیمار نے دم توڑ دیا ہے
گر آپ نہ سمجھے ہوں تو ہم نام بتائیں

مصروف ہیں جو وحشت و تخریبِ چمن میں
ہم ایسی بہاروں کو نہ کیوں آگ لگائیں

اللہ رے اک بندۂ مجبور کا عالم
مرنے کی تمنّا ہے نہ جینے کی دعائیں

○

جادۂ عشق میں اک وہ بھی مقام آتا ہے
راہرو کے لئے منزل کا سلام آتا ہے
آج جس دل سے ہے بربادیٔ پیہم کا گلہ
یہی کمبخت بُرے وقت میں کام آتا ہے
دیکھ کر مجھکو مچل جاتی ہے ساقی کی نظر
ذکر سُنتے ہی مرا وجد میں جام آتا ہے
وجہِ آشوبِ جہاں پوچھ رہی ہے دنیا
لب پہ کیا جانیئے کیوں آپ کا نام آتا ہے
رُوح آنکھوں میں سمٹتی نظر آتی ہے مجھے
کیا کسی بھولنے والے کا پیام آتا ہے
خندہ برلب ہے جنوں لرزہ براندام خرد
زُلف بردوش کوئی برسرِ بام آتا ہے

○

آغوشِ گل میں پرورشِ نوکِ خار ہے
ہاں میں بھی مانتا ہوں یہ فصلِ بہار ہے
تارے اُداس، پھول فسردہ، چمن خموش
میں سوگوار ہوں تو جہاں سوگوار ہے
جس دن سے تم گئے مجھے دے کر تسلیاں
اُس دن سے آج تک مرا دل بے قرار ہے
گلچیں کی فکر، برق کا ڈر، خطرۂ خزاں
اس زندگی کا نام حیاتِ بہار ہے
مستقبلِ چمن سے ہوں کیا مطمئن کہ آج
ہر پھول زخم سینۂ فصلِ بہار ہے.
کہتے ہو زندگی میں ملیں گے کبھی ضرور
انورؔ کو زندگی ہی کا کب اعتبار ہے

خزاں نے تازہ کوئی شگوفہ جو پھر کھلایا تو کیا کرو گے؟
بہار رُکا یہ حسین موسم، نہ راس آیا تو کیا کرو گے؟
بجا ہے تعلیمِ ضبطِ پیہم مگر بہ ایمائے شدّتِ غم
زباں پہ بے اختیار اُن کا جو نام آیا تو کیا کرو گے؟
نئے شبستانِ آرزو میں وفا کی شمعیں جلانے والو
چراغِ اُمّید میرِ محفل نے خود بجھایا تو کیا کرو گے؟
کلیم کی جرأتِ طلب کا مذاق اکثر اُڑانے والو
تمہاری نظروں کو بھی کسی نے جو آزمایا تو کیا کرو گے؟
سوالِ تسکینِ شوق اُن سے بہت مناسب ہے لیکن اے دل
خلافِ اُمّید تم نے کوئی جواب پایا تو کیا کرو گے
سُنا کے بزمِ ازل میں جس کو، کیا تھا روحوں کو مست تم نے
جو میں نے وہ گیت اپنی دُھن میں تمہیں سُنایا تو کیا کرو گے؟

○

زندگی کے حسین بہانے سے
موت ملتی رہی زمانے سے
موسمِ گل خزاں مزاج سہی
مَر کے نکلیں گے آشیانے سے
عشق کی آگ اے معاذ اللہ
نہ کبھی دب سکی دبانے سے
رزمِ دیر و حرم سے تنگ آکر
دل لگایا شراب خانے سے
فائدہ کیا ہے بے شعور دل کو
نغمۂ آرزو سنانے سے
جب زمانے کا غم اٹھا نہ سکے
ہم ہی خود اُٹھ گئے زمانے سے

داستانِ گل و گلزار سے بچنا ہو گا
اب حدیثِ لب و رخسار سے بچنا ہو گا
موت کی نیند سُلا دیتے ہیں جو روحوں کو
اُن خیالات، اُن افکار سے بچنا ہو گا
تلخیٔ جراٴتِ کردار ہے اب جانِ حیات
محض شیرینیٔ گفتار سے بچنا ہو گا
بے خبر اس کسمِ افیوں سے رہے ہیں برسوں
جادوئے جبّہ و دستار سے بچنا ہو گا
روز ہوتی ہے جہاں عظمتِ آدم نیلام
ایسے ہر کوچہ و بازار سے بچنا ہو گا
بیچ دے اپنی جو خودداریٔ احساس انورؔ
ایسے ہر شاعر و فنکار سے بچنا ہو گا

نظر جب اٹھائی، نئی چوٹ کھائی
دہائی ہے اے میرِ محفل دہائی

جنونِ محبّت میں شمعِ تمنّا
جلائی، بجھائی، بجھائی، جلائی

اشاروں اشاروں میں دل کی کہانی
نظر نے سُنی اور نظر نے سُنائی

بدلنے لگے ہیں نظامِ چمن کو
اسیروں کو راس آگئی ہے رہائی

ہیں کونین میں حکمراں حسن والے
انھیں کا خدا ہے اُنھیں کی خدائی

وہ کب آئے ہیں پرسشِ غم کو انور
اجل جب مری جان لینے کو آئی

○

کر رہے ہیں اہلِ گلشن بجلیوں سے ساز باز
آشیاں سے واسطہ کیا آشیاں ہو یا نہ ہو
پوچھتے ہیں وہ تو کہدوں آج سب رودادِ غم
پھر مرے منہ میں خدا جانے زباں ہو یا نہ ہو
آگ برساتا ہے گلچیں، شعلہ زن ہے باغباں
دیکھئے کل تک بہارِ گلستاں ہو یا نہ ہو
اس سے کیا مطلب ادائے فرضِ ہستی کی قسم
زندگی بھر جذبۂ دل کامراں ہو یا نہ ہو
ہم کو ایمان وفا کی پختگی پر ناز ہے
خوش گماں ان کی نگاہ بدگماں ہو یا نہ ہو
کیا کرینگے جی کے اس الجھن میں انورؔ غم نصیب
سازگارِ زندگی دورِ جہاں ہو یا نہ ہو۔

مقامِ عظمتِ آدم کو جو نہ پہچانے
خُدا کا نام وہ لیتا ہے کیوں خدا جانے

نظر نظر مرا عنواں بنامِ لالہ و گل
چمن چمن مرے بکھرے ہوئے ہیں افسانے

نظامِ دہر کا اللہ اب محافظ ہے
خرد کو راہ دکھانے چلے ہیں دیوانے

تجھے خبر بھی ہے ترتیبِ نو کے شیدائی
چھپے ہوئے ہیں اِن آبادیوں میں ویرانے

خلوصِ عشق سے خالی ہے آدمی کا ضمیر
چراغ اُس میں ہو روشن تو لاکھ پروانے

نشاطِ ساغر و مینا ہے جس کا شغلِ حیات
حقیقتِ غمِ ہستی، وہ خاک پہچانے

کوئی یہ شیخ و برہمن کو راز سمجھا دے
حرم کی گود میں پلتے رہے ہیں بتخانے
یہ کہکشاں، یہ چمن، یہ فروغِ سرو سمن
مری نگاہ کے ڈھالے ہوئے ہیں میخانے

نوازش کی کبھی یہ شان بھی دکھلائی جاتی ہے
وفا کی داد دینے کو جفا فرمائی جاتی ہے
نہ جانے کیوں چھلک جاتے ہیں آنسو چشمِ شبنم میں
تبسم کی ادا غنچوں کو جب سکھلائی جاتی ہے
خدا نے عقل دی ہے خود سمجھ لو میری صورت سے
محبت کی حقیقت کب زباں پہ لائی جاتی ہے
خموشی ہی خموشی ہے، نہ شورش ہے نہ ہنگامہ
تری محفل میں اب میری ضرورت پائی جاتی ہے

سامنے منزل ہے کوئی اور نہ منزل کا نشاں
چل رہی ہے زندگانی کارواں در کارواں

خود بخود کھل جائے گا یہ وقت پر سرِّ نہاں
اُن کے دل کی دھڑکنیں تھیں یا مری بے تابیاں

ماسوا کا ذکر کیوں لاتا ہے واعظ درمیاں
اُن کے ہوتے پھر مرے ہونے کی گنجائش کہاں

آج کل ہے ان کا گہوارہ ہمارا گلستاں
جن بہاروں کے مقدر میں ازل سے ہے خزاں

ہو نہیں سکتی سکوں سے آشنا بزمِ جہاں
اضطراب انگیز ہے جب تک غمِ سود و زیاں

ہیں شروطِ اوّلینِ عشق بے وہم و گماں
دل جواں، ہمت جواں، جذبہ جواں، فطرت جواں

مدتوں سے کوئی پیغام نہیں آتا ہے
جذبۂ دل بھی مرے کام نہیں آتا ہے

ہائے اندازِ تغافل، کہ دمِ ذکرِ وفا
یاد اُن کو بھی مرا نام نہیں آتا ہے

اُف وہ معصوم و حیا ریز نگاہیں، جن پر
قتل کے بعد بھی الزام نہیں آتا ہے

کام کچھ میری تباہی کے سوا دُنیا میں
تجھ کو اے گردشِ ایّام نہیں آتا ہے

مہرباں دیدۂ ساقی کو اُسی پر دیکھا
جس کو طرزِ طلبِ جام نہیں آتا ہے

اب ہے یہ عالمِ مایوسِ محبّت انورؔ
اُن کے جلوؤں سے بھی آرام نہیں آتا ہے

میکدہ رقص میں ہے پیرِ مغاں رقص میں ہے
چشمِ ساقی کے اشاروں پہ جہاں رقص میں ہے
سازِ فطرت کے ترنّم کا سہارا لے کر
قلبِ پُرسوز کا احساسِ جواں رقص میں ہے
حسن لرزیدہ قدم، عشق پراگندہ ہوش
زندگانی کا ہر عنوانِ گراں رقص میں ہے
اپنے مرکز پہ نہیں محفلِ امکاں کا نظام
کس کو معلوم ہے اب کون کہاں رقص میں ہے
جیسے ہٹ جائے کہیں عارضِ رنگیں سے نقاب
ظلمتِ شب کا سحر بار دھواں رقص میں ہے
جس جگہ جا کے فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں
للہ الحمد کہ انور بھی وہاں رقص میں ہے

ہوا سے گل نہیں اہلِ چمن کو سازگار اب بھی
بہار آئی مگر گلشن ہے محرومِ بہار اب بھی

نوا سنجانِ بلغِ آرزو ہیں سوگوار اب بھی
اُلجھتے ہیں نگاہِ شوق کے دامن سے خار اب بھی

چمن میں سازشِ صیّاد و گلچیں اب بھی جاری ہے
قفس کی تیلیوں کو ہے ہمارا انتظار اب بھی

جنھیں منزل پہ پہنچا کر ہیں خود بربادِ منزل ہوں
نہیں آیا انھیں میری وفا کا اعتبار اب بھی

وہی ناکام راہی مجھ کو کہتے ہیں معاذاللہ
ہے خضرِ راہ جن کے واسطے میرا غبار اب بھی

مرا خونِ وفا زیبِ جبینِ گل ہے گو انورؔ
سمجھتے ہیں مجھے وہ دشمنِ فصلِ بہار اب بھی

○

حُسن پھر کرنے لگا ہے احترام
آگیا اے عشق پھر نازک مقام

ہر قدم حسنِ وفا کا اہتمام
ہر نظر پابندِ آداب و سلام

پھر نظر کی گود میں ہے وہ کرن
جس کا پرتو جلوۂ ماہِ تمام

اب میں ہوں اُن کی نظر کا راز دار
اب مرے قبضہ میں ہے عُمرِ دوام

ہے یہی انورؔ کمالِ عاشقی
بات اُن کی ہے، مرا رنگِ کلام

○

عشق مکمل خوابِ پریشاں
حُسن ہمہ تعبیرِ گریزاں

قطرہ میں دریا کی سمائی
دردِ دوعالم اک دلِ انساں

عشق بہ ہمہ اندازِ تجلّی
لرزاں لرزاں رقصاں رقصاں

عشق برنگِ شعلہ و شبنم
سوزشِ پنہاں، اشک نمایاں

میری نگاہِ فکر میں انورؔ
عشق فسانہ، حُسن ہے عُریاں

تصوّر کے سہارے یوں شبِ غم ختم کی میں نے
جہاں دل کی خلش اُبھری تمہیں آواز دی میں نے

طلب کی راہ میں کھا کر شکستِ آگہی میں نے
جنوں کی کامیابی پر مبارکباد دی میں نے

دمِ آخر بہت اچھّا کیا تشریف لے آئے
سلامِ رخصتانہ کو پکارا تھا ابھی میں نے

زباں سے جب نہ کچھ یارائے شرحِ آرزو پایا
نگاہوں سے حضورِ حُسن اکثر بات کی میں نے

نشیمن کو بھی اک پرتوِ قفس کا جان کر انور
بسا اوقات کی ہے بجلیوں کی رہبری میں نے

○

جنونِ صحرا بصحرا مجھ کو لیکر بڑھتا جاتا ہے
مری دیوانگی نزدیکِ منزل ہوتی جاتی ہے
وہ چنگاری جسے میں نے چھپا رکھا تھا پہلو میں
لہو بن کر مری رگ رگ میں شامل ہوتی جاتی ہے
وفا نا آشنا نظریں، پھر اُٹھتی ہیں مری جانب
خدا کا شکر ہے فریاد کامل ہوتی جاتی ہے
مُبارک ہو تجھے او صبحدم، دم توڑنے والے
تری اُمید، اُمیدوں کا حاصل ہوتی جاتی ہے
تموّج آشنا انور نہ گھبرا جوشِ طوفاں سے
کہ ہر اک موج تیرے حق میں ساحل ہوتی جاتی ہے

ہے جن سے خاص تعلق مرے فسانوں کو
کہیں سے ڈھونڈ کے لا دو انھیں زمانوں کو

حدیثِ درد کے اسباب کیوں کئے پیدا
اگر زبان نہ دینی تھی بے زبانوں کو

سمجھ سکے نہ فقیہانِ شہر، دل کا مقام
ملا پتہ نہ حقیقت کا بدگمانوں کو

نہ پوچھ اہلِ جنوں کی رسائیاں واعظ
حریمِ حُسن میں پہونچا دیا فغانوں کو

اگر یہی روشِ برقِ خانہ زاد رہی
کہاں تک آپ بچائیں گے آشیانوں کو

اُنھیں کے کوچہ میں ہیں دفن اہلِ عشق انورؔ
مِلا عجیب ٹھکانا یہ بے ٹھکانوں کو

○

پھر توجہ کسی نے فرمائی
زندگی لے رہی ہے انگڑائی

کس نے چھیڑا ربابِ دل شبِ غم
چاند تاروں کو نیند سی آئی

بڑھتا جاتا ہے اضطرابِ نظر
کیا کوئی دل کی چوٹ ابھر آئی

اب وہ آنے لگے خیالوں میں
راس آنے لگی ہے تنہائی

دل نے دی آج ان کو یوں آواز
روحِ نظمِ حیات تھرائی

جذبۂ عشق ہو کہ جلوۂ حسن
اک تماشا ہے اک تماشائی

زندگی شکرِ مجسّم کے سوا کچھ بھی نہیں
تیری یادوں کے حسیں غم کے سوا کچھ بھی نہیں

امتیازات کے عالم سے گذر کر دیکھا
میرا عالم ترے عالم کے سوا کچھ بھی نہیں

عشق کا ذوقِ نظر رنگِ طلب شوقِ وصال
حُسن کی رحمتِ پیہم کے سوا کچھ بھی نہیں

زہد نامحرمِ عرفاں کا خروشِ سجدہ
حسرتِ کوثر و زمزم کے سوا کچھ بھی نہیں

میرا مقصودِ تصوّر ترے جلووں کی قسم
تیری تصدیقِ مکرّم کے سوا کچھ بھی نہیں

تو مرے واسطے اک اور جہاں پیدا کر
یہ جہاں لغزشِ آدم کے سوا کچھ بھی نہیں

نظمِ کونین سمجھتا ہے زمانہ جس کو
عشق کے جذبۂ محکم کے سوا کچھ بھی نہیں
صبحِ خنداں کی خنک تاب تجلی اے دوست
گرمیٔ سینۂ شبنم کے سوا کچھ بھی نہیں

قطعہ

دوستی نبھ نہ سکی شیشے کی پیمانے سے
جب سے ہم لوگ نکالے گئے میخانے سے
روز آپس میں لڑا کرتے ہیں اربابِ خرد
کوئی دیوانہ الجھتا نہیں دیوانے سے

○

ترا حُسنِ نظر ہے اور میں ہوں
نگاہِ معتبر ہے اور میں ہوں

اُمیدِ غیر فانی کے سہارے
محبّت کا سفر ہے اور میں ہوں

ہر اک شے پر یہ حیرانی کا عالم
جہانِ بے خبر ہے اور میں ہوں

جہاں چاہا وہیں بے نام سجدہ
کسی کی رہ گذر ہے اور میں ہوں

ملے مجھ کو شعورِ عشق و مستی
دُعائے مختصر ہے اور میں ہوں

○

سوزشِ زخمِ جگر بھول گیا
خلشِ قلب و نظر بھول گیا

تم سے اک بات تو کہنی تھی مجھے
سامنے آکے مگر بھول گیا

کارواں گمشدۂ منزل ہے
راہ بر راہِ سفر بھول گیا

حاصلِ زیست تھا افسانۂ شب
آہ ہنگامِ سحر بھول گیا

تھا جو مقصودِ محبت انورؔ
اک اسی سجدے کو سر بھول گیا

○

آنکھ دل کی ترجماں کب تک رہے
التماسِ بے زباں کب تک رہے

جستجوئے خضرِ منزل تا کجا
راہ میں گُم کارواں کب تک رہے

تا کجا عرفانِ ہستی کا گریز
سعیٔ انساں، رائیگاں کب تک رہے

گریۂ اہلِ زمیں پر خندہ زن
انقلابِ آسماں کب تک رہے

اک حجابِ دلنواز و دل شکن
میرے ان کے درمیاں کب تک رہے

دیکھیے گلشن میں ہنگامِ بہار
ربطِ برق و آسماں کب تک رہے

دیکھئے میرے لئے محوِ تلاش
ہر بلائے آسماں کب تک رہے
آخرش انورؔ بہ اُمیدِ نشاط
زندگی ناشادماں کب تک رہے

○

چُپ وہ بھی رہے چُپ ہم بھی رہے، فریاد زباں پر لا نہ سکے
مجبوریٔ دُنیا کیا کہیئے وہ آ نہ سکے ہم جا نہ سکے
آنسو بھی نگاہوں سے ٹپکے ماتھے پہ پسینہ بھی آیا
مایوس نگاہوں سے لیکن مفہومِ نظر سمجھا نہ سکے
میں پھول تو ہوں لیکن انورؔ آزادِ قیودِ گلشن ہوں
وہ پھول ہی کیا جو گلشن میں خود کِھل نہ سکے مُرجھا نہ سکے

وہ نظّارۂ عارضِ صبح پیکر، تصوّر میں رنگینیاں بھرنے والا
وہ پُر کیف و خوش ذوقِ حُسنِ تبسّم ستاروں سے سرگوشیاں کرنے والا
سیہ کاکلیں روئے روشن پہ قرباں، شب و روز کا مقصدِ نور و ظلمت
نثارِ جبینِ مقدس دو عالم، زمانہ محبّت کا دم بھرنے والا
بہر حال ان کی مشیّت کے پہلو، نمایاں ہیں دنیا کی ہر ایک شے سے
کہیں جشنِ شادی، کہیں بزمِ ماتم، کوئی جینے والا، کوئی مرنے والا
بڑھیں لاکھ فتنے، اُٹھیں لاکھ محشر، بپھر جائیں موجیں، اُتر جائے طوفاں
وہ جس کا سفینہ ہے اُن کے حوالے، خدا کے سوا کس سے ہے ڈرنے والا
قسم ہے یقینِ محبّت کی انور، مجھے پرسشِ حشر کا خوف کیوں ہو
ازل سے ہے مربوطِ سلکِ تعلق، خطا کرنے والا عطا کرنے والا

○

انقلابِ سحر و شام ، الٰہی توبہ
اثرِ گردشِ ایام ، الٰہی توبہ
فطرتِ بادۂ رنگیں ہیں نہیں کیف و نشاط
رند ہیں موردِ الزام ، الٰہی توبہ
صحنِ گلشن میں بہاروں نے بچھا رکھے ہیں
لالہ و گُل کے حسین دام ، الٰہی توبہ
عالمِ نزع میں پلکوں پہ لرزتے آنسو
عشق کا آخری پیغام ، الٰہی توبہ
گلشنِ فکر، یہ آنور ہے گراں بارِ مزاج
شعر کی بارشِ الہام ، الٰہی توبہ

○

عشق میں غم کے سوا کوئی خوشی دیکھی نہیں
زندگی شایانِ لطفِ زندگی دیکھی نہیں

اِن خزاں ساماں بہاروں کو بہاریں کیوں کہوں
کیا کبھی میں نے چمن کی دلکشی دیکھی نہیں

اُف وہ آنکھیں مرتے دم تک جو رہی ہیں اشکبار
ہائے وہ لب عمر بھر جن پر ہنسی دیکھی نہیں

تک رہا ہوں نزع میں یُوں اُن کی صورت بار بار
زندگی میں جیسے یہ صُورت کبھی دیکھی نہیں

وہ ڈرے محشر بداماں تلخیٔ ماحول سے
جس نے ان نظروں کی شانِ برہمی دیکھی نہیں

بڑھ گیا ہے کس قدر تاریکیوں کا سلسلہ
باوجودِ صبحِ روشن، روشنی دیکھی نہیں

خلافِ حُسنِ فطرت، یہ سُخن کہنا ہی پڑتا ہے
محبّت کو دلوں کا راہزن کہنا ہی پڑتا ہے

حضورِ دوست وہ عالم قیامت ہے جہاں ہمدم
ادائے دل نشیں کو، دل شکن کہنا ہی پڑتا ہے

حقیقت کی تجلّی سے الگ رہ کر جو لڑتے ہیں
مجازاً ان کو شیخ و برہمن کہنا ہی پڑتا ہے

وہاں ہوں اِن دنوں انور جہاں برقِ حوادث کو
بمجبوری نگہبانِ چمن کہنا ہی پڑتا ہے

○

بے رُخی پر بھی کرم اتنا تو فرماتے ہیں آپ
یاد کرتا ہوں جہاں تشریف لے آتے ہیں آپ
یہ تماشا بھی بہ اوقات دکھلاتے ہیں آپ
میری صورت میں زمانے کو نظر آتے ہیں آپ
یوں بھی اکثر دیدۂ حیراں کو بہلاتے ہیں آپ
آئینہ بنتا ہوں میں، تصویر بن جاتے ہیں آپ
جب مجھے رازِ عُروجِ عشق سمجھاتے ہیں آپ
میرا دل میری نگاہِ شوق بن جاتے ہیں آپ
جانِ انور، رُوح و ایمانِ محبت کی قسم
مجھ میں رہ کر مجھ سے اکثر دُور ہو جاتے ہیں آپ

○

راز دارِ خودی ہو تو جائے
حاصلِ زندگی ہو تو جائے

امنِ عالم تو مشکل نہیں ہے
آدمی، آدمی ہو تو جائے

زحمتِ میکشی تو اُٹھا لوں
فرصتِ میکشی ہو تو جائے

عکسِ خورشید ذروں میں دیکھوں
وہ عطا روشنی ہو تو جائے

دادِ چارہ گری فرض لیکن
دردِ دل میں کمی ہو تو جائے

لُطفِ پیہم نہیں گر مناسب
عُمر بھر میں کبھی ہو تو جائے

○

طوفانِ مصائب سے ہراساں نہیں ہوتے
اربابِ جنوں، غم سے پریشاں نہیں ہوتے

پاس اتنا ہے اشکوں کو مرے ضبطِ فغاں کا
آنکھوں سے برستے ہیں نمایاں نہیں ہوتے

ہیں چارہ گرِ دردِ دو عالم وہی بیمار
جو آپ کے شرمندۂ احساں نہیں ہوتے

وہ پھول بھی ہیں خارِ مغیلاں جو چمن میں
وابستۂ تزئینِ گلستاں نہیں ہوتے

محشر میں بھی میخانۂ فطرت کے گنہگار
رحمت کے سہارے پہ پشیماں نہیں ہوتے

ہیں حضرتِ انور بھی عجب شاعرِ فطرت
مجبور نہ ہو دل تو غزل خواں نہیں ہوتے

○

حضورِ حُسن کبھی التجا کا نام نہ لو
وفا کی شان یہی ہے وفا کا نام نہ لو
مزاجِ حُسن پہ یہ بھی گراں گذرتا ہے
ہجومِ یاس میں بھی مدّعا کا نام نہ لو
بچا، بچا، مرے ایمان کو بچا یا رب
جنوں نے حکم دیا ہے خدا کا نام نہ لو
مصیبتوں میں کوئی آشنا نہیں رہتا
مصیبتوں میں کسی آشنا کا نام نہ لو
بتائیں کیا تمہیں رندوں پہ کیا گذرتی ہے
ہمارے سامنے کالی گھٹا کا نام نہ لو
اسی فریب میں کاٹی ہے زندگی میں نے
خدا کے واسطے انورؔ دُعا کا نام نہ لو

جدید دور جو گلشن کو سازگار آئے
کلی کلی کو ہنساتی ہوئی بہار آئے

اگر عنایتِ ساقی بروئے کار آئے
اِدھر میں جام اُٹھاؤں اُدھر بہار آئے

یہ کیا نظامِ محبّت بنا لیا ہم نے
جو بات دل میں نہ ہو لب پہ بار بار آئے

کوئی سُنے نہ سُنے انقلاب کی آواز
پُکارنے کی حدوں تک تو ہم پُکار آئے"

میں اس کے وعدۂ فردا پہ کیوں یقین کروں
جسے نہ میری وفاؤں کا اعتبار آئے

وہاں لطافتِ فطرت کا ذکر کیا انورؔ
جہاں فسادِ طبیعت بروئے کار آئے

حیرت بہ نظر، فریاد بہ لب، بربادِ تمنا کوئی نہ تھا
محفل میں تمہاری میرے سوا تصویرِ تماشا کوئی نہ تھا

وہ سُننے تو آئے قصۂ غم اس سے اپنی مجبوری
بیتابیٔ دل تھی محرمِ دل، ہونٹوں پہ فسانہ کوئی نہ تھا

دنیا اُن کی، محفل اُن کی، آنکھیں اُن کی جادو اُن کا
پاتے بھی تو کس سے دادِ وفا، محفل میں ہمارا کوئی نہ تھا

ہے یاد وہ دورِ غم انور بدلی تھی جب انکی ہم سے نظر
مرنے کے تقاضے لاکھوں تھے جینے کا سہارا کوئی نہ تھا

سرِ دامن مزا دیتی ہیں آنکھیں خوں چکاں ہو کر
کہ ہر اک اشک رہ جاتا ہے جانِ گلستاں ہو کر

ابھی کیا ہے، ابھی آغاز ہی آغاز ہے ہمدم
تمنّا رنگ لائے گی، محبّت میں جواں ہو کر

حرم کی رفعتیں اس کے سجودِ شوق پر قرباں
جبیں جو آستاں بن جائے جذبِ آستاں ہو کر

فضا آنے کو ہے اب راس شاید صحنِ گلشن کی
گذر جاتی ہے ہر بجلی قریبِ آشیاں ہو کر

تجھے صیّاد کیا غم ہے، قفس تیرا، چمن تیرا
گُل و بُلبل میں کیا ہوتا بھلا سرگوشیاں ہو کر

نہ کہنے پر بھی کہہ جاتے ہیں سب کچھ آنکھ کے آنسو
زباں کا کام دیتے ہیں یہ ظالم بے زباں ہو کر

سُلگتی ہے خدا معلوم کیا شے خانۂ دل میں
نکلتی ہے جو آہوں کے دریچوں سے دھواں ہو کر
مسلسل ضبط کی تاکید کے بھی باوجود انور
نظر نے رازِ غم افشاں کیا ہے رازداں ہو کر

○

چمن والوں میں ہے کہرام برپا
نئے فتنے اُچھالے جا رہے ہیں
قیامت ہے کہ اربابِ نشیمن
نشیمن سے نکالے جا رہے ہیں

○

چمن میں حُبِّ چمن کی صدا بھی جرم ہے آج
خروشِ بُلبلِ شیریں نوا بھی جرم ہے آج
ھزار جور و جفا ہو مگر زباں نہ کھلے
پئے نگاہِ کرم التجا بھی جرم ہے آج
ہجومِ غم میں کبھی دامن نہ ہو نگاہ کا تر
فغانِ دردِ دلِ مبتلا بھی جرم ہے آج
سمن بروں کے ہیں اوصاف لائقِ تعزیر
جمالِ لالہ و گُل کی ثنا بھی جرم ہے آج
بہار کے لئے کلماتِ خیر ہیں پابند
فلاحِ اہلِ چمن کی دُعا بھی جرم ہے آج
بلا قصور و خطا ہر سزا ئے گلچیں پر
خدا گواہ ملالِ سزا بھی جرم ہے آج

○

عارض و گیسو کے صبح و شام سے کھیلا کئے
ہم ہمیشہ گردشِ ایام سے کھیلا کئے

حسن نے جب بھی تراشا عشق پر الزامِ نو
وجد کے عالم میں اُس الزام سے کھیلا کئے

ذہن میں رکھ کر مآلِ آرزو کی تلخیاں
عشق کے آغازِ خوش انجام سے کھیلا کئے

شوق کی وارفتگی میں دیکھیے آداز یں انھیں
بارہا ہم آپ اپنے نام سے کھیلا کئے

فرصت ملے جو کشمکشِ روزگار سے
دو چار روز ہم بھی تو کھیلیں بہار سے

مانگو دعائے خیرِ چمن کیلئے کہ آج
شعلے نکل رہے ہیں جبینِ بہار سے

تعزیرِ جرم عادتِ رحمت کے ہے خلاف
کیوں ڈر رہے ہو پرسشِ روزِ شمار سے

جاتا وہیں ہے لیکے جہاں روز ہوں ذلیل
تنگ آ چکے ہیں ہم دلِ بے اختیار سے

○

حاصلِ غم یہی سمجھتے ہیں
موت کو زندگی سمجھتے ہیں

جسکو تیرے الم سے نسبت ہے
ہم اُسی کو خوشی سمجھتے ہیں

تم ستم میں کمی نہ فرماؤ
ہم اِسے دُشمنی سمجھتے ہیں

ہم چراغوں میں چاند تاروں کے
آپ کی روشنی سمجھتے ہیں

شیخ جی ہیں فرشتوں کے استاد
آپ انھیں آدمی سمجھتے ہیں

حُسنِ موزوں کے ذکر کو انور
مقصدِ شاعری سمجھتے ہیں

گذر چکے ہیں جو مشکلوں میں اب اُن زمانوں کو بھول جاؤ
سرور کی منزلوں میں، غم کے سبھی فسانوں کو بھول جاؤ

عروج کی آخری حدوں میں، یہ ہے تقاضائے عصرِ حاضر
جدید دُنیا کے خضر ہو تم، تو کاروانوں کو بھول جاؤ

اِدھر اُدھر سے نظر بچا کر، نیا اُصولِ نشاط یہ ہے
خدا نے بخشی ہے راحتِ دل تو خستہ جانوں کو بھول جاؤ

بہار کی صحبتِ مسلسل سکھا رہی ہے یہ بے نیازی
ہجومِ کیف و طرب کے عالم میں باغبانوں کو بھول جاؤ

عجیب آئینِ گلستان ہے کھُلے ہیں صدیوں کے بعد اگر لب
چمن میں اعلان ہو رہا ہے کہ ہم زبانوں کو بھول جاؤ

○

نہایت تلخ احساسِ غم و آلام ہے پی لو
یہی شاید علاجِ گردشِ ایام ہے پی لو
زمانہ کے حوادث کی تھکن کچھ دُور کرنے کو
تکلّف برطرف، گر خواہشِ آرام ہے پی لو
قسم کھا کر سرِ واعظ کی رندو، جوشِ مستی میں
مشیت کی طرف سے آج اِذنِ عام ہے پی لو
ہمیں پینی پڑی، ساقی نے جب یہ ہنس کے فرمایا
شفاعت عرصۂ محشر میں میرا کام ہے پی لو
بھری ہے وہ جو شیشے میں بنامِ پیرِ میخانہ
گلابی سی شرابِ ناب جس کا نام ہے پی لو

کارفرما انقلابِ آسماں ہوتا گیا
راحتِ جاں باعثِ آزارِ جاں ہوتا گیا
رفتہ رفتہ عشق کی بے چینیاں بڑھتی گئیں
دردِ دل مانوسِ فریاد و فغاں ہوتا گیا
دیکھ کر اہلِ محبّت کو سراپا ضبط و شکر
حُسن کا ذوقِ ستم کوشی جواں ہوتا گیا
رہنما سے بے نیازی جس قدر بڑھتی گئی
دُور منزل سے ہمارا کارواں ہوتا گیا

اشکِ بے تاب جو آنکھوں سے نکل جاتا ہے
قصۂ درد کا عنواں ہی بدل جاتا ہے

چشمِ ساقی کا ہر انداز بدل جاتا ہے
گرتے گرتے جو کوئی رِند، سنبھل جاتا ہے

اُن کی آنکھوں کا اشارا ہو تو دیوانۂ شوق
اُن کی حد سے بھی بہت دُور نکل جاتا ہے

جب کسی رند کی اُٹھ جاتی ہے اک خاص نظر
ساقیٔ مے کدہ بر دوش سنبھل جاتا ہے

آپ کی چشمِ عنایت کا ہے کچھ اور مقام
یوں بہلنے کو تو دل غم سے بہل جاتا ہے

○

نہ تنہا، نسترین و نسترن سے عشق ہے مجھ کو
خدا کا رِ چمن ہوں، کُل چمن سے عشق ہے مجھ کو
اسی کی گود میں پلتی رہی ہے زندگی میری
مُقدس وادیٔ گنگ و جمن سے عشق ہے مجھ کو
محبت ہے ازل کے دن سے شامل میری فطرت میں
بلا تفریق شیخ و برہمن سے عشق ہے مجھ کو
اگر چہرے ہوں افسردہ تو جینے کا مزا کیا ہے
عروسِ زندگی کے بانکپن سے عشق ہے مجھ کو
سمجھتا ہوں اسے بھی ایک منزل راہِ ہمّت کی
یہ انا، حلقۂ دار و رسن سے عشق ہے مجھ کو

○

خفا ہو تم، تو ماجرائے غم سُنا کے کیا کروں
جگر خراش و دل شِکن جواب پا کے کیا کروں

بہر نگاہ، اک نئی ہے چوٹ دل کے واسطے
نظر اُٹھا کے کیا کروں، نظر مِلا کے کیا کروں

جو حسرتیں ترے کرم کی راہ تک کے سو گئیں
کسی اُمیدِ خام پر انھیں جگا کے کیا کروں

ازل سے ہوں تری قسم اسیرِ زُلفِ خَم بہ خَم
نصیبِ زندگی ہے غم، تو مُسکرا کے کیا کروں

یہی تو خلوتِ الم میں آسرائے زیست ہے
حدیثِ ماضئ حسیں کو پھر بُھلا کے کیا کروں

○

تمناؤں نہ ارمانوں میں گم ہوں
خیالوں کے صنم خانوں میں گم ہوں

جو وابستہ تمہاری یاد سے ہیں
محبت کے اُن افسانوں میں گم ہوں

تصور جن سے ہے اب بھی مزیّن
اُنھیں رنگیں شبستانوں میں گم ہوں

ہزار آبادیاں جن پر تصدّق
انھیں خوابوں کے ویرانوں میں گم ہوں

قسم ہے داغِ دل، زخمِ جگر کی
تری نظروں کے احسانوں میں گم ہوں

جہاں رہبر ہے خود گم کردہ منزل
نہ جانے کن بیابانوں میں گم ہوں

عزیز از جاں ہے انور ربطِ گیسو
پریشاں ہوں پریشانوں میں گم ہوں

خوش نما، جاذبِ نگاہ گلاب
آپ کا پرتوِ حسیں تو نہیں

آئینہ خانۂ مشیّت میں
عکسِ فردوسِ دلنشیں تو نہیں

یا یہ میری نظر کا دھوکہ ہے
کہیں اس بھیس میں تمہیں تو نہیں

○

بہر عنواں شعورِ فکر گلشن چھین لو مجھ سے
خیالِ آشیاں یادِ نشیمن چھین لو مجھ سے
رہے باقی یہی، کیوں یادگارِ اضطرابِ غم
جو ممکن ہو تو میرے دل کی دھڑکن چھین لو مجھ سے
مجھے کیوں ہوش ہے اس دور میں بھی اپنے تن من کی
مرا تن چھین لو مجھ سے، مرا من چھین لو مجھ سے
مری آنکھوں کو اشکوں کی امانت سونپنے والو
مناسب ہے یہ ارمانوں کا مدفن چھین لو مجھ سے
حدیثِ دل سُنا دیتا ہوں کیوں شعروں کے پردے میں
مرے افکار کو لوٹو، مرا فن چھین لو مجھ سے
ڈرانے کیلئے ہے لوٹ کافی رہنماؤں کی
نئی منزل ہیں انور خوفِ رہزن چھین لو مجھ سے

ترا ستم بھی عنایت سے کم نہیں اے دوست
تری رضا ہے اگر غم، تو غم نہیں اے دوست

تری جفا کو جو سمجھیں نہ جان و دل سے عزیز
وہ نا شناسِ محبت تو ہم نہیں اے دوست

یہ التفات بھی پیہم نہیں گلا یہ ہے
بنے حرفِ شکایت الم نہیں اے دوست

بچا کے رکھ مجھے دونوں فریب خانوں سے
مرا مقام یہ دیر و حرم نہیں اے دوست

وہ نامرادِ ازل ہے نگاہِ انور میں
جو تیرا بستۂ زلفِ کرم نہیں اے دوست

نظر نظر کو خلدِ میکدہ بنا کے پی گیا
کسی حسیں نگاہ سے نظر ملا کے پی گیا

یہ کارِ خیر دیکھئے جب آئے شیخ سامنے
بہ احترامِ شرعِ مے، نظر جھکا کے پی گیا

درود پڑھ کے آفتابِ جام کے ورود پر
گناہ کو ثواب کی حدوں میں لا کے پی گیا

تلافیٔ غمِ حیات، کچھ نہ کچھ تو ہو گئی
اُٹھا جو ابرِ نو بہار، مُسکرا کے پی گیا

○

لب پہ کانٹوں کے ہے فریاد و بُکا میرے بعد
کوئی آیا ہی نہیں آبلہ پا میرے بعد
میرے دم تک ہی رہا ربطِ نسیم و رُخِ گُل
نکہت آمیز نہیں موجِ صبا میرے بعد
اب نہ وہ رنگِ جبیں ہے نہ بہارِ عارض
لالہ رویوں کا عجب حال ہوا میرے بعد
چند سوکھے ہوئے پتّے ہیں چمن میں رقصاں
ہائے بیگانگیٔ آب و ہوا میرے بعد
منہ دھلاتی نہیں غنچوں کا عروسِ شبنم
گرد آلود ہے کلیوں کی قبا میرے بعد
آدمیّت شکنی بھی تو نہیں کم انور
ڈر ہے کچھ اور نہ ہو اس کے سوا میرے بعد

○

اُن کے سپرد کی گئی رونقِ محفلِ وطن
جن کے دلوں کی تیرگی دشمنِ شمعِ انجمن

پھر وہی صبرِ بے اماں، پھر وہی جبرِ قہرماں
گریۂ دردمند پر چشمِ ستم ہے خندہ زن

دیر و حرم کی گود میں پرورشِ فریب ہے
لب پہ خدا کے تذکرے دل میں خیالِ اہرمن

زاغ و زغن سے مستعار، جن کا مذاقِ گفتگو
چھین رہے ہیں آج وہ، میری زباں کا بانکپن

○

گو کشتۂ جفائے غمِ روزگار ہوں
اُجڑے ہوئے ریاضِ وفا کی بہار ہوں
دامن جسے نصیب نہ روئے حسیں نصیب
وہ جادۂ حیات کا بے کس غبار ہوں
روشن جسے کسی نے بھی اب تک کیا نہیں
وہ نامرادِ شوق، چراغِ مزار ہوں
راحت کا مل سکا نہ جسے گوشۂ سکوں
وہ خانماں خراب ہوں، وہ بے قرار ہوں
جن کے لئے حیات کی راحت نثار کی
شکرِ خدا انھیں کی جفا کا شکار ہوں

○

جس میں خودی کی آن نہیں ہے
وہ انساں، انسان نہیں ہے

دیر و حرم سے بچ کر رہیے
اِن میں خدا کی شان نہیں ہے

کفر ہے ہستی، کفر ہے مستی
عشق اگر ایمان نہیں ہے

خیر طلب ہوں کُل دُنیا کا
فرض ہے یہ، احسان نہیں ہے

اس سے اُلجھتے ہو کیوں رندو
کیا واعظ انسان نہیں ہے

مائلِ جنگ و تشدّد انورؔ
میرا ہندوستان نہیں ہے

طلبِ مہر میں تاروں کو نہ ڈھونڈھ
اتنے کمزور سہاروں کو نہ ڈھونڈھ

ہمہ تن دیدۂ ساقی بن جا
چشمِ ساقی کے اشاروں کو نہ ڈھونڈھ

دل کے ہر زخم کو اک پھُول بنا
حسرتِ گُل میں بہاروں کو نہ ڈھونڈھ

منزلِ شوق ہے خود تیرا قدم
شوق کی راہ گذاروں کو نہ ڈھونڈھ

کارواں جن میں ہوئے گُم لاکھوں
اِن فلک گیر غباروں کو نہ ڈھونڈھ

ماسوا سے ہو جنھیں ربط انؔور
دیکھ ان کفر شعاروں کو نہ ڈھونڈھ

○

زندگی ختم ہوئی ان کی محبّت نہ گئی
موت کے ساتھ بھی کمبخت مصیبت نہ گئی

اللہ اللہ دلِ مایوس کی یہ حالتِ زار
صبح کے بعد بھی یادِ شبِ فرقت نہ گئی

کوششیں حسن نے کیں لاکھ تسلّی کے لئے
عمر بھر دل سے مرے درد کی شدت نہ گئی

تلخ انجامیٔ اربابِ وفا دیکھ کے بھی
پڑ چکی تھی جو وفا کی وہی عادت نہ گئی

کیا کروں گردشِ ایّام کا شکوہ انورؔ
منزلِ عیش پہ خود ہی مری قسمت نہ گئی

یوں تھا دلِ اُنکے پیار سے پہلے
جیسے گلشن بہار سے پہلے

راس آئی بہشتِ کوئے بتاں
خُلدِ پروردگار سے پہلے

یوں سمجھ کر مزاجِ اہلِ چمن
رو رہا تھا بہار سے پہلے

ہائے قسمت بجائے ابرِ بہار
خون برسا بہار سے پہلے

ان کا انور نہ انتظار کرو
موت کے انتظار سے پہلے

چنیں گے ہم بھی گلستاں کے پھول ہم نفسو
اگر بہار میں کانٹوں سے بچ گیا دامن

○

قفس میں جسے چین کی نیند آئے
وہ کیوں آشیانے کی زحمت اٹھائے

یہ کہکر بجھا ہے فسانہ غم نے سنائے
چراغ سحر آج جلنے نہ پائے

نہ آنے کی کھاکر قسم وہ نہ آئے
ستارے یونہی صبح تک جھلملائے

دل کو یادوں کا چمن زار کئے جاتے ہیں
چشم پرنم کو گہر بار کئے جاتے ہیں
موسم گل میں بھی کمبخت ترے دیوانے
اہتمام رسن و دار کئے جاتے ہیں

رشک جنت چمن نہیں بنتا چند کلیوں کے مسکرانے سے

○

آج کل کٹتی ہے کیوں کر زندگانی کیا کہوں
ہم نشیں پُر درد ہے میری کہانی کیا کہوں

یادِ یارانِ وطن، بربادیٔ دل کا خیال
میں ہوں اور تنہائیوں کی نوحہ خوانی کیا کہوں

رو دیا کرتا ہوں اکثر، یہ نہیں معلوم کیوں
آنکھ کیوں ہوتی ہے وقفِ خوں چکانی کیا کہوں

لب تک آ سکتی نہیں انورؔ حدیثِ اضطراب
بے زبانی ہے، زبانِ بے زبانی کیا کہوں

○

حُسن کو خود امتیازِ رنگ و بُو کرنا پڑا
عشق کو آزادِ قیدِ جُستجو کرنا پڑا

خود ہی سُننے آ گئے وہ داستانِ دردِ دل
پھر زباں کو آشنائے گفتگو کرنا پڑا

دیکھ کر پھر ان کو تصویرِ حیا، جانِ کرم
پھر وفا کا ذکر ان کے روبرو کرنا پڑا

پھر وہ انورؔ پرسشِ غم کے لئے آمادہ ہیں
پھر مجھے کچھ اہتمامِ آرزو کرنا پڑا

اب آئے ہیں وہ سرِ قبر فاتحہ پڑھنے
تمام عمر رہا جن کا انتظار مجھے

مآلِ خندۂ گل سے نہیں ہوں میں واقف
فریب دے نہ سکے گی، ابھی بہار مجھے

مزاجِ حسن ہے پیماں شکن ازل سے مگر
قسم نہ کھاؤ، تمہارا ہے اعتبار مجھے

چلا ہوں تجھ سے خفا ہو کے سوئے ملکِ عدم
قدم قدم پہ اب اے زندگی پکار مجھے

یہ خاک ہو نہ کسی نامراد منزل کی
ملا تھا راہ میں اُڑتا ہوا غبار مجھے

گذر چکا ہوں اک ایسے مقام سے بھی جہاں
ترا خیال بھی گذرا ہے ناگوار مجھے

ظلمتوں میں روشنی کی جستجو کرتے رہو
زندگی بھر زندگی کی جُستجو کرتے رہو

جس پہ ہو ساقی بہ زعمِ ہوشمندی بھی فدا
اس مکمّل بے خُودی کی جستجو کرتے رہو

بے جنوں چلتا نہیں ہے کارِ تعمیرِ حیات
ہوش والو، آگہی کی جستجو کرتے رہو

آدمیّت کے سوا جس کا کوئی مقصد نہ ہو
عمر بھر اس آدمی کی جستجو کرتے رہو

شرطِ عرفانِ خدا اتنی ہے خود اپنی تلاش
یوں تو کرنے کو کسی کی جُستجو کرتے رہو

کارواں کی جستجو پابندِ عزمِ دل نہ تھی
جس کو سب منزل سمجھتے تھے مری منزل نہ تھی

ہائے ان حسرت نصیبوں کا مآلِ زندگی
طالبِ ساحل بھی جن کو حسرتِ ساحل نہ تھی

حسرتیں پامال، دل ٹوٹا ہوا، حالت خراب
کون سی شے تھی جو بزمِ ناز میں حاصل نہ تھی

شمع روشن بھی رہی، پروانے جلتے بھی رہے
میں نہ تھا تو کوئی وجہِ گرمیٔ محفل نہ تھی

کوئی کرتا بھی تو کیا فکرِ دوائے دردِ دل
حُسن کو معلوم خود بنیادِ دردِ دل نہ تھی

ہے یہ سب انور نگاہِ شوق کا حُسنِ کمال
میری قسمت ورنہ ان کی دید کے قابل نہ تھی

یہ دورِ صبح و شامِ مسلسل تو دیکھیے
جلوؤں کا اہتمامِ مسلسل تو دیکھیے

شرح و بیاں سے دور زبانِ بہار پر
رنگینیٔ کلامِ مسلسل تو دیکھیے

تنویرِ مہر و ماہ ہو یا شب کی ظلمتیں
ہر شے میں اک نظامِ مسلسل تو دیکھیے

گیا ساقی حدیثِ ساغر و میخانہ باقی ہے
حقیقت ہو چکی ہے ختم، اب افسانہ باقی ہے

نہ صحرا ہے نہ کانٹے ہیں، نہ لطفِ چاک دامانی
زبانوں پر فقط ذکرِ دلِ دیوانہ باقی ہے

وہ ہنگاموں کا عالم اب کہاں دنیائے اُلفت میں
جنوں کی یادگارِ زندگی، ویرانہ باقی ہے

○

جلوہ آرا آپ تھے جانِ تماشا ہم بھی تھے
زینتِ محفل نہ تھے سرکار تنہا، ہم بھی تھے

آپ جن پردوں میں تھے مصروفِ اخفائے جمال
ہاں انھیں پردوں میں اک رنگین پردا ہم بھی تھے

عرصۂ کون و مکاں میں رقص کرنے کیلئے
آپ کی پُر کیف نظروں کا اشارا ہم بھی تھے

جب مرتّب ہو رہی تھی داستانِ حُسن و عشق
صفحۂ ہستی پہ عنوانِ فسانا ہم بھی تھے

آخرِ شب آپ نے اُلٹی تھی جب رخ سے نقاب
صُبح کا پیغمبرِ تنویر تارا ہم بھی تھے

جب ہوا روزِ ازل شوقِ خود آرائی اُنھیں
نقشِ پا پر ان کے آنور سر بسجدہ ہم بھی تھے

O

کچھ ابروؤں پہ بل بھی ہیں خندہ لبی کے ساتھ
فرما رہے ہیں جور، مگر دل کشی کے ساتھ

شامل ہو گر نہ غم کی خلش زندگی کے ساتھ
رکھّے نہ کوئی ربطِ محبّت کسی کے ساتھ

اس اہتمامِ جشنِ مشیّت کو کیا کہوں
پیدا کیا ہے درد، دلِ آدمی کے ساتھ

جینے نہ دیں حیات کی پیہم شرارتیں
انساں جو خود شریر نہ ہو زندگی کے ساتھ

ہر گام پر ہے لغزشِ پا کا بھی اک خطر
چلئے رہِ وفا میں سلامت روی کے ساتھ

ممکن ہے مل ہی جائے مقامِ سکوں کہیں
تا مرگ ہم رکاب رہو زندگی کے ساتھ

باوصفِ ذکرِ کوثر و تسنیم کس لئے
واعظ کو ضد ہے مشغلۂ مے کشی کے ساتھ
معلوم اس کی تلخیٔ انجام ہے مگر
انورؔ بلا خلوص نہ ملیئے کسی کے ساتھ

گلشن سے نکل کر بھی وہ محرومِ سکوں ہیں
پھولوں کی جنھیں آب و ہوا راس نہ آئی
غیروں میں بھی وہ قابلِ عزّت نہیں ہوتے
جن کو کبھی اپنوں کی وفا راس نہ آئی
مے خانے سے مستی میں وہ پہونچے ہیں حرم تک
جن کو یہ مئے ہوش ربا راس نہ آئی

○

حریفِ جلوۂ خورشیدِ ماہتاب کی یاد
ہے اُن کے عارضِ پُر نور و بے نقاب کی یاد

ہے یوں خیال میں گذرا ہوا زمانۂ شوق
ہو جیسے خواب میں رنگین ایک خواب کی یاد

نظر میں حشرِ مجسّم کی کھنچ گئی تصویر
کبھی جو آ-ئی ترے عالمِ شباب کی یاد

سما رہا ہے کوئی یوں نگاہ میں انور
ہو جیسے ذہن میں اک شعرِ کامیاب کی یاد

○

تم جب سے گئے ہو سچ جانو، اب چین نہیں آرام نہیں
اب لُطفِ صبح و شام ہی کیا، اب لُطفِ صبح و شام نہیں

محرومِ وفا، مجبورِ وفا، محرومِ زباں، مجبورِ زباں
یہ حال ہو جس بیمار کا وہ، گر صبح رہا تو شام نہیں

اک خاص عنایت کا صدقہ ہے دل کی خلش، اشکوں کی نمی
یہ حُسن کا فیض و لُطف و کرم، مخصوص ہے مجھ تک عام نہیں

اس وضع کرم کو کیا سمجھوں حیرت ہے خود اپنے عالم پر
بے چین ہوں اور بے چین نہیں، آرام ہے اور آرام نہیں

ہر آن خلش سی پہلو میں اٹھتی ہے شبانہ روز انور
مجھ سا کوئی دنیا میں شاید مجبورِ غم و آلام نہیں

○

اُلفت میں ہماری کُلفت کو آرام سمجھتے گذری ہے
ہر جور و ستم کو اک تازہ انعام سمجھتے گذری ہے

پھُولوں کی جبیں پر بھی ان کے فیضانِ نظر کو دیکھا ہے
بُلبل کی صدا کو بھی، ان کا پیغام سمجھتے گذری ہے

صد خلد بداماں ساقی کی مے خانہ سراپا آنکھوں کو
جنّت کدۂ مینا و سبو و جام سمجھتے گذری ہے

جب کوئی جگر کی چوٹ اُبھری، پُر کیف غزل کہدی انؔور
افکار کی رنگینی کو مجھے الہام سمجھتے گذری ہے

عرضِ غم بار بار کر نہ سکا
حُسن کو شرمسار کر نہ سکا

یوں بھی گذری ہے سامنے سے بہار
میں یقینِ بہار کر نہ سکا

بارہا ان سے مل کے بھی دلِ زار
زیست کو خوشگوار کر نہ سکا

ان کے آتے ہی ہجر کا بیمار
موت کا انتظار کر نہ سکا

اُف وہ مایوسِ لُطفِ دوست کہ جو
زندگی سے بھی پیار کر نہ سکا

نغمۂ سازِ آرزو انور
زینتِ گوشِ یار کر نہ سکا

○

خلوصِ عشق کو دُنیا کبھی نہ راس آئی
نیاز مندِ وفا زندگی نہ راس آئی

نتیجہ جس کا ہے غارت گرِ سکونِ جہاں
جدید دور کو وہ آگہی نہ راس آئی

بنا دیا ہمہ تن سوز، ہر نفس میرا
مجھے بھی خود مرے دل کی لگی نہ راس آئی

سیاہ خانۂ دل کا علاج کیا کہ جسے
چراغِ طور کی بھی روشنی نہ راس آئی

ہے کیا زمانۂ ناقدر دانِ فن انور
تمام عمر مجھے شاعری نہ راس آئی

○

افسانۂ حیات کی یوں دل کشی بڑھاؤ
جب اُن کی یاد آئے تو کوئی غزل سُناؤ

ہر ذرّہ آئینہ ہے جہاں حُسنِ دوست کا
حیرت سے پوچھتا ہوں کہاں ہوں مجھے بتاؤ

بیٹھا ہوں مشق کر کے ہیں جذبِ جمال کی
اچھا یہی ہے آج مرے سامنے نہ آؤ

تمہید جانئے اسے طوفانِ شوق کی
دریائے آرزو کا رُکے جس جگہ بہاؤ

درکار ہے جنوں کی اگر روشنی تمہیں
آ نورِ حریمِ فکر سے شمعِ خرد بجھاؤ

O

اُن مست انکھڑیوں کا عالم جو دیکھ پائے
انساں کا ذکر ہی کیا فطرت بھی جھوم جائے
پھر مے کدے کی جانب بادل سمٹ کے آئے
پیمانہ ساز چھیڑے، مینا غزل سُنائے
اس راہ میں مقامِ صبر و رضا ہے مشکل
اے رہ روِ محبّت پاؤں نہ ڈگمگائے
دل کے سوا نہ روشن ہم نے کسی کو دیکھا
گو غم کی آندھیوں میں دیپک بہت جلائے
چُن چُن کے چند تنکے بن تو گیا نشیمن
کم بخت بجلیوں کی زد سے خدا بچائے
مایوسئ نظر کو ملتا گیا سہارا
راہِ طلب میں انور جتنے وہ یاد آئے

○

نہ ہونگے ہم تو یہ رنگِ گلستاں کون دیکھے گا
بہاروں سے ہی تخریبِ بہاراں کون دیکھے گا

سرِ محشر جفاؤں کی شکایت برمحل لیکن
پھر ان معصوم نظروں کو پشیماں کون دیکھے گا

بجا ہے لالہ و گل کی تباہی کا تصور بھی
مگر یہ منظرِ محشر بداماں کون دیکھے گا

مجھے تسلیم ہے قیدِ قفس سے موت بہتر ہے
نشیمن پر ہجومِ برق و باراں کون دیکھے گا

حسیں تعبیرِ مستقبل سہی اس کی مگر انور
نئے فتنوں کا اب خوابِ پریشاں کون دیکھے گا

○

عطائے غم پہ بھی خوش ہوں، مری خوشی کیا ہے
رضا طلب جو نہیں ہے وہ بندگی کیا ہے

تری نگاہ کی نقّاشئ حسیں کے سوا
تو ہی بتا مرا مفہومِ زندگی کیا ہے؟

ستم شعار، جفا آشنا، وفا دشمن
یہ ننگِ عظمتِ آدم ہے آدمی کیا ہے؟

ترا تصورِ رنگیں اگر نہ ہو شامل
بہارِ گلشنِ امکاں میں دل کشی کیا ہے

زمانہ آپ کا کہتا ہے جس کو عکسِ جمیل
نظر اُٹھا کے تو دیکھو، یہ چاندنی کیا ہے

تمام عمر قفس میں گذار دی ہم نے
خبر نہیں کہ نشیمن کی زندگی کیا ہے

○

حضور طعنۂ رسوائی دوام نہ دیں
میں جانتا ہوں کہ انجامِ عاشقی کیا ہے؟

جو ناگوارِ طبیعت نہ ہو تو یہ پوچھوں
خفا ہیں آپ مگر وجہ برہمی کیا ہے؟

قسم ہے بے خودیٔ شوقِ جاوداں کی تمہیں
خدا کو ماننے والو، کہو خودی کیا ہے؟

ہو ترجمانیٔ فطرت نہ جس سے اے انور
وہ فکرِ شعر، وہ اندازِ شاعری کیا ہے؟

مجھ پہ ہے کیوں اس قدر تیرا عتاب
زندگی میرے لئے ہے کیوں عذاب

میں ہی تھا جس کی نگاہِ آرزو
دیکھتی تھی عیشِ مستقبل کے خواب

تیری محفل کو سجانے کے لئے
میں نے ڈالی تھی بنائے انقلاب

میں نے چھیڑا تھا ربابِ فصلِ گُل
میں نے اُلٹی تھی بہاروں کی نقاب

○

تیز دورِ انقلابِ آسماں ہونے بھی دے
حسیاتِ غم کو مانوسِ جہاں ہونے بھی دے

جب نہیں سنتا کوئی، تیری نوائے زندگی
بزمِ عالم پر اجل کو حکمراں ہونے بھی دے

صاحبِ گلشن ہیں جب بیزارِ تزئینِ چمن
درہم و برہم نظامِ گلستاں ہونے بھی دے

سرد مہروں سے کہاں تک آرزوئے ارتباط
ذرہ ذرہ پیکرِ آتش فشاں ہونے بھی دے

جب ہیں مرغوبِ طبیعت ظلم کی ارزانیاں
جنسِ کم یابِ محبت کو گراں ہونے بھی دے

جو بدلنا چاہتے ہیں بزمِ ہستی کا مزاج
از سرِ نو ان ارادوں کو جواں ہونے بھی دے

○

ہر دل کو غمِ عشق کا حاصل نہ سمجھئے
ہر شمع کو زینت دہِ محفل نہ سمجھئے

ہر ایک دھڑکتی ہوئی شے، دل نہیں ہوتی
ہر سایۂ بیتاب کو محمل نہ سمجھئے

موجوں کا سکوں، خوابِ طلاطُم کی ہے تمہید
موجوں کے سکوں کو ابھی ساحل نہ سمجھئے

اس دورِ پُرآشوب کا ہر نقشِ تغیّر
قاتل ہے اسے بھُول کے بسمل نہ سمجھئے

کچھ اور بڑھانا ہے ابھی پائے طلب کو
منزل کے نشانات کو منزل نہ سمجھئے

○

شدتِ نور سے بے نور ہوئی جاتی ہے
ہر نظر جلوہ گہِ طور ہوئی جاتی ہے

اختیاراتِ بشر جتنے بڑھے جاتے ہیں
زندگی اور بھی مجبور ہوئی جاتی ہے

رہنماؤں کی سیاست سے نہ اُلجھیں رہرو
منزلِ شوق بہت دُور ہوئی جاتی ہے

کیا کہوں اپنی طبیعت کا یہ اندازِ جنوں
غم کی افراط سے مسرور ہوئی جاتی ہے

دل کی ہر چوٹ اُبھرنے لگی بنکر آنسو
راز کی بات بھی مشہور ہوئی جاتی ہے

للّٰہ الحمد اب انورؔ مری تصویرِ حیات
پردۂ شعر میں مستور ہوئی جاتی ہے

سکونِ قلب و قرارِ جگر کب آئے گی
وصالِ دوست کی آخر خبر کب آئے گی

خموش رات، بھیانک فضا، اُداس چمن
میں ڈھونڈتا ہوں جسے وہ سحر کب آئے گی

قدم قدم پہ جہاں آرزوئے سجدہ ہے
خدا ہی جانے تری رہ گزر کب آئے گی

جہاں تری بھی ضرورت نہ کچھ رہے مجھ کو
گھڑی وہ موت کی اے چارہ گر کب آئے گی

بجا کہ آئے گی انور ضرور منزلِ شوق
حضور یہ تو بتائیں مگر، کب آئے گی۔

○

چمن سنسان ویراں آشیانے
خزاں ہے یا بہار اللہ جانے

میں اُن کی ہر ادا پہچانتا ہوں
نہ آنا ہو تو پھر لاکھوں بہانے

نہ جانے کتنی صُبحیں کھو کے سیکھی
تری رفتار کی شوخی صبا نے

زمانہ ہم کو کیا بدلے گا ہم لوگ
بدل دیتے ہیں ٹھوکر سے زمانے

بہت بہتر سہی ترکِ محبت
مگر کم بخت میرا دل تو مانے

کبھی یادش بخیر اس گلستاں میں
سرِ شاخِ چمن تھے آشیانے

○

شبِ فراق کی ظلمت ہے ناگوار مجھے
نقاب اُٹھا، کہ سحر کا ہے انتظار مجھے

قسم ہے لالہ و گُل کے اُداس چہروں کی
فریب دے نہ سکا موسمِ بہار مجھے

بصورتِ دلِ پُر داغ ان کی محفل سے
عطا ہوئی ہے محبت کی یادگار مجھے

مذاق کل جو اڑاتی تھی غم کے ماروں کا
وہ آنکھ کیوں نظر آتی ہے سوگوار مجھے

جفا و جورِ مسلسل، وفا و ضبطِ الم
وہ اختیار تمہیں ہے، یہ اختیار مجھے

○

ہو تم مجسّم، شراب خانہ، سبو سنبھالو، نہ جام اُٹھاؤ
قسم تمہیں میری تشنگی کی نظر کی ڈھالی ہوئی پلاؤ
جفائے ماضی کے تلخ قصّے زباں پہ للّٰہ اب نہ لاؤ
نئی وفاؤں کا ساز چھیڑو، نیا کوئی گیت گنگناؤ
شکایتِ گردشِ فلک میں ہمیشہ مشغول رہنے والو
غمِ محبت ہی کم نہیں ہے، غمِ زمانہ کو بھول جاؤ
بہت دنوں سے جوان خوں کی چمن کی مٹّی کو ہے ضرورت
تمہارا دامن ہے اس سے خالی، اُٹھو نہ پھر جھوم کر گھٹاؤ
گداز انسانیت کی خاطر سفر میں ہے زندگی ازل سے
تمہیں خبر ہو تو تم ہی انور کہیں سے اس کا پتہ لگاؤ

○

سرد مہری ان کی عادت ہی سہی
آپ سوزِ دل کی باتیں کیجئے

پھر دلِ مرحوم کی یاد آگئی
پھر کسی قاتل کی باتیں کیجئے

آنکھ سے پردہ اگر منظور ہے
دل میں رہیئے، دل کی باتیں کیجئے

عشق کی ناکامیوں کے ذکر پر
سعیٔ لاحاصل کی باتیں کیجئے

راحتِ آغوشِ طوفاں کی قسم
کس لئے ساحل کی باتیں کیجئے

محرمِ رازِ وفا کوئی نہیں
کس سے انور دل کی باتیں کیجئے

○

حیرانیٔ آئینۂ احساس بڑھا دو
پھر سامنے آکر مجھے تصویر بنا دو

تم پیار سے کل رات مجھے دیکھ رہے تھے
اس خوابِ حسیں کی کوئی تعبیر بتا دو

بچنا ہے اگر شدتِ تاریکیٔ غم سے
دو چار چراغ اور بھی پلکوں پہ جلا دو

کیوں عرضِ تمنا پہ کیا ہے تمہیں برہم
مختار رہو، اس جُرم کی جو چاہو سزا دو

طوفان کے آغوش میں نیند آنے لگی ہے
نزدیکیٔ ساحل کی حدیں اور گھٹا دو

تسکینِ محبت کی یہ صورت بھی ہے انور
افسانۂ دل شعر کے پردے میں سُنا دو

○

مایوسیِ بیمارِ شبِ غم کی کہانی
سُنتی ہی سحر ڈوبتے تاروں کی زبانی

بن جائے نہ عنواں کہیں تخریبِ چمن کا
مُرغانِ خوش آہنگ کی یہ شعلہ فشانی

کھا کر ہی رہا چوٹ کسی شوخ نظر کی
کمبخت مرے دل نے مری ایک نہ مانی

دھونے لگے اس داغ کو بھی اب مرے آنسو
سمجھا تھا جسے میں نے ترے غم کی نشانی

للہ کوئی پیار کی نظروں سے نہ دیکھے
ہو جائے نہ ان کو کہیں احساسِ جوانی

○

ترے کرم کی ضرورت ہے پیرِ مے خانہ
پھر آج ہوش میں آنے لگا ہے دیوانہ

اسی کے دم سے ہیں روشن حرم کی قندیلیں
خدا کرے نہ ہو گُل چراغِ بت خانہ

زبانِ غیر کی دُشنام اس سے تلخ نہیں
حضور آپ تو کہیئے نہ مجھ کو بیگانہ

یہ کون سا ہے مقامِ جنوں معاذاللہ
سنبھل سنبھل کے جہاں چل رہا ہے دیوانہ

جوازِ مے کی بھی صورت نکل ہی آئے گی
سپردِ شیخ ہوا ہے نظامِ مے خانہ

○

کٹی کیوں کر شبِ غم کچھ نہ پوچھو
حدیثِ دردِ پیہم کچھ نہ پوچھو

تصور بھی جہاں خُلدِ نظر تھا
محبّت کا وہ عالم کچھ نہ پوچھو

پشیماں دیکھ کر محشر میں اُن کو
رہے خاموش کیوں ہم کچھ نہ پوچھو

دلِ کونین کی دھڑکن بڑھا دی
مزاجِ حُسنِ برہم کچھ نہ پوچھو

شکستِ آرزو سے مرگِ دل تک
کیا کس کس کا ماتم کچھ نہ پوچھو

جو آتور ہو چکیں جذبِ رگِ جاں
اب اُن نظروں کا عالم کچھ نہ پوچھو

وہ ازل کی محفلِ ناز ہو کہ ابد کا محشرِ رائیگاں
تری جستجو مجھے لے گئی، تری حد سے دُور کہاں کہاں

حرم اور دیر کی کشمکش سے سمجھ میں بات یہ آگئی
ترے بستگانِ نگاہ کو، نہ یہاں اماں، نہ وہاں اماں

جسے عشق کہتے ہیں اہلِ دل، غمِ درد و کلفتِ جاوداں
وہی خضرِ منزلِ کامراں، وہی رہزنِ رہِ کارواں

جو لب تک آکے رہ گئی، میں اس ہنسی کو کیا کروں
اگر یہی ہے زندگی تو زندگی کو کیا کروں

تمام عمر جو کبھی مری خوشی نہ بن سکی
تری خوشی کے نام پر میں اس خوشی کو کیا کروں!

ترے خیال سے بھی گر سکونِ دل نہ مل سکے
تو ہی بتا تو پھر ترے، خیال ہی کو کیا کروں

○

اُن کی محفل میں ہمیشہ سے یہی دیکھا رواج
آنکھ سے بیمار کرتے ہیں تبسّم سے علاج

میں جو رویا اُن کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے
حُسن کی فطرت میں شامل ہے محبّت کا مزاج

میری خاطر خود اٹھاتے ہیں وہ تکلیفِ کرم
کون رکھتا، ورنہ مجھ جیسے گنہگاروں کی لاج

میرے ہونے اور نہ ہونے پر ہی کیا موقوف ہے
موت پر ان کی حکومت زندگی پر ان کا راج

اُف وہ عارض جس کے جلوؤں پر فدا مہرِ مُبیں
آہ وہ لب جن کو دیتے ہیں مہ و انجم خراج

میں ہوں انورؔ ان کی ذاتِ پاک کا ادنیٰ غلام
ہے سرِ اقدس پہ جن کے رحمتِ یزداں کا تاج

○

راحت کو دیکھتا ہوں نہ غم دیکھتا ہوں میں
ہر حال میں اُنھیں کا کرم دیکھتا ہوں میں

خوفِ بتاں سے لرزہ براندام ہیں یہ لوگ
حیرت سے سوئے اہلِ حرم دیکھتا ہوں میں

آنے لگی ہے نیند سی پیشِ جمالِ دوست
کُھلتا ہوا نظر کا بھرم دیکھتا ہوں میں

وارفتگیٔ شوق میں لیکر خدا کا نام
دیوانہ وار روئے صنم دیکھتا ہوں میں

شاید قصورِ ضبطِ محبت ہے ناگوار
کیوں اہتمامِ ترکِ ستم دیکھتا ہوں میں

انورؔ ضرور مجھ سے ہوئی ہے کوئی خطا
کچھ ان کے التفات کو کم دیکھتا ہوں میں

مانا کوئی فکرِ قفس و دام نہیں ہے
ہوں صحنِ چمن میں مگر آرام نہیں ہے

میں نے ہی تو میخانے کو میخانہ بنایا
میرے ہی مقدر میں کوئی جام نہیں ہے

ہے طعنۂ تخریبِ چمن، اہلِ چمن پر
صیاد پہ لیکن کوئی الزام نہیں ہے

رہتی ہے شب و روز مرے قلب و جگر میں
اک ایسی خلش جس کا کوئی نام نہیں ہے

جمہور کے ذہنوں میں جگہ پا نہیں سکتا
جس شعر میں انورؔ کوئی پیغام نہیں ہے

○

ادا ادا شبابِ حُسنِ گلستاں لئے ہوئے
نظر نظر بہار کی جوانیاں لئے ہوئے
چراغِ طُور کی ضیائے دلنوازِ رُخ بہ رُخ
جبیں جبیں فروغِ نجم و کہکشاں لئے ہوئے
ہزار حشر در کمیں، وہ زلفِ ناز خم بہ خم
شعورِ عشق کے لئے بلائے جاں لئے ہوئے
قفس نصیب طائرو، یہ پست ہمتّی ہے کیوں
پروں پہ اُڑ چلو قفس کی تیلیاں لئے ہوئے
اِدھر اُدھر یہاں وہاں، ہیں بجلیاں ہی بجلیاں
چمن چمن پھروں کہاں، میں آشیاں لئے ہوئے
فرازِ طور، میکدہ، حرم، جوارِ گُل رُخاں
پھرے گی زندگی مجھے کہاں کہاں لئے ہوئے

مصیبت کا قصہ، الم کی کہانی، حدیثِ شبِ غم نہ پوچھو خدارا
ہر اک لمحہ انتظار و تصوّر، نہ مرتے گذارا نہ جیتے گذارا

ریاضِ مجسّم جوانی تمہاری، بہشتِ مکمل سراپا تمہارا
زباں گوہر افشاں، دہن غنچہ صورت جبیں گُل بداماں، نظر گلشن آرا

تمہارے تبسّم کی گلکاریوں نے کئے خارزاروں سے گلزار پیدا
جدھر اُٹھ گئیں جلوہ ساماں نگاہیں، خزاں سے بہاریں ہوئیں آشکارا

اُنھیں ضد ستم سے نہ باز آئیں گے وہ مجھے عشقِ خوددار کا پاسِ عزّت
وفا کی تمنّا، جفا سے تغافل، نہ مجھ کو گوارا، نہ اُن کو گوارا

بنے خود جو اپنے لئے خضرِ منزل انھیں راستوں میں نہ پیش آئی مشکل
ہمیشہ رہی بے کسی ساتھ ان کے، محبت میں ڈھونڈھا جنہوں نے سہارا

نہ تھا دور ساحل، نہ گہرا تھا پانی، غلط اعتمادی کا انجام تو بہ
نہیں کوئی موجِ مخالف کا شکوہ، مجھے ناخدا کی عنایت نے مارا

ڈوبتی نبض پہچان جاؤ
تم نہ جاؤ ابھی، مان جاؤ

جا رہے ہو تو پھر ساتھ اپنے
جان لے کر مری جان جاؤ

گو یہ عادت میں داخل نہیں ہے
تم کسی کا کہا مان جاؤ

زندگی بخشنے آ گئے تھے
موت کا بن کے عنوان جاؤ

تصویرِ ستم ہو جاتے ہو، عنوانِ جفا ہو جاتے ہو
احساسِ غرورِ حُسن میں تم کیا جانیئے کیا ہو جاتے ہو
آنکھوں سے برستا ہے غصّہ، پڑ جاتے ہیں بل پیشانی پر
بے جُرم سزائیں دیتے ہو، بے بات خفا ہو جاتے ہو

○

اُف یہ صبحِ چمن، یہ سویرا
ہوگیا اور دونا اندھیرا

وحشتوں نے جب انساں کو گھیرا
کوئی میرا رہا پھر نہ تیرا

دل بھر آیا تباہی پہ میرا
سوئے گلشن ہوا جب بھی پھیرا

خانہ ویرانیاں کہہ رہی ہیں
چل مسافر اُٹھا اپنا ڈیرا

آشیانوں میں بُلبل کے بدلے
بجلیاں لے رہی ہیں بسیرا

کل میں تھا جانِ تزئینِ گلشن
حق نہیں آج گلشن پہ میرا

○

پھر انساں غم شریکِ نوعِ انساں ہونے والا ہے
مہیا زندگی کا ساز و ساماں ہونے والا ہے

فضا پر سرخئ رنگِ شفق پھر ہو چلی طاری
چمن کا گوشہ گوشہ گل بداماں ہونے والا ہے

بدلتی جا رہی ہے پھر خزاں کی زرد پیشانی
گلستاں درحقیقت پھر گلستاں ہونے والا ہے

ہنسی آتی تھی غنچوں کی تباہی پر جسے کل تک
بنامِ انتقامِ وقت، گریاں ہونے والا ہے

دلِ مظلوم نے جس کو چھپایا تھا بمجبوری
وہ نالہ پھر اُبھر کر شعلہ افشاں ہونے والا ہے

بچاتے پھر رہے تھے جس سے داماں کو دیوانے
وہی اندازِ وحشت پھر نمایاں ہونے والا ہے

امیروں کے گھروں کے قمقمے تھے طعنہ زن جن پر
اب اُن ظلمت کدوں میں بھی چراغاں ہونے والا ہے
فزوں تر ہے کشش اب کس لئے اربابِ اُلفت کی
رفیقِ عشق اب حُسنِ گریزاں ہونے والا ہے
بساطِ نظمِ دُنیا جس سے ہو گی درہم و برہم
وہی بیدار پھر جوشِ فروزاں ہونے والا ہے
مریضوں میں ہوا پیدا خود اندازِ مسیحائی
بہر صورت علاجِ زخمِ پنہاں ہونے والا ہے
قریب المرگ صیّاد و قفس کی داستانیں ہیں
نشیمن آئینہ دارِ بہاراں ہونے والا ہے
زمانہ منتظر ہے جس کا اُن کا ایک مدّت سے
مرے ہاتھوں سے وہ کارِ نمایاں ہونے والا ہے

○

حدِ تکمیل میں ایماں کا افسانہ نہیں آیا
حرم کے ساتھ جب تک ذکرِ بُت خانہ نہیں آیا
اُٹھا کرتے ہیں جس کی یاد میں ہر روز ہنگامے
تری محفل میں مُدّت سے وہ دیوانہ نہیں آیا
چمن میں طالبانِ گُل تو آئے سیکڑوں لیکن
تھے جس کے منتظر کانٹے وہ دیوانہ نہیں آیا
چلا میں جانبِ صحرا تو ویرانے پکار اُٹھے
چلے آؤ کہ تم سا کوئی دیوانہ نہیں آیا

رہزنوں کے خوف سے آزاد ہو جانے کو ہے
زندگانی پھر سکوں کا راستہ پانے کو ہے

جس سے گھٹتا ہے خرد کی فتنہ سامانی کا دم
وہ جنوں بزمِ جہاں میں رقص فرمانے کو ہے

کیفرِ کردار کو پہونچیں گے ابنائے ستم
انتقامِ وقت اپنا رنگ دکھلانے کو ہے

پھر میسّر ہو گی انورؔ ہم کو تسکینِ حیات
اضطرابِ آرزو کا دور اب جانے کو ہے

انقلابِ گردوں سے روز و شب بدلتے ہیں
مہر و ماہ و انجم سب اپنی چال چلتے ہیں

رات بھر تصوّر میں نامراد پلکوں پر
کچھ چراغ بجھتے ہیں کچھ چراغ جلتے ہیں

کارواں سے بے پروا، آج کل کے یہ رہبر
خود نہیں بدلتے ہیں، راستے بدلتے ہیں

ہیچ جن کے آگے ہے، راحت دو عالم بھی
زندگی کے سانچے میں ایسے غم بھی ڈھلتے ہیں

سنگ دل زمانے سے کس لئے میں گھبراؤں
قیمتی گہر ریزے پتھروں میں پلتے ہیں

○

نظر آئے جس کو خزاں کا عکس جبینِ نقش و نگار پر
اُسے کیا غرض ہے بہار سے، وہ نثار کیوں ہو بہار پر
وہ کلیم تھے کہ نظر سے جن کی گلہ تھا جلوۂ یار کو
مری چشمِ شوق ہے طعنہ زن حجابِ جلوۂ یار پر
کوئی چڑھ کے دار پہ کہہ گیا یہ رموزِ عشق بر ملا
نہ وہ سرفرازِ وفا ہوا جو چڑھا نہ تختۂ دار پر
ہیں نظر شناسِ تغیراتِ جہاں ہوں مجھ سے نہ پوچھیئے
ابھی کتنے حشر محیط ہیں، رُخِ دورِ لیل و نہار پر
یہ بجا کہ بندۂ حُسن ہوں، یہ بجا کہ آپ سے عشق ہے
مگر اُس مقامِ نیاز تک کہ نہ حرف آئے وقار پر

○

کہاں ہیں وہ یارانِ بزمِ کہن
عبارت تھی جن سے بہارِ چمن
مُرادوں کے روشن تھے جتنے چراغ
نہ وہ شمع رو ہیں نہ وہ انجمن

کہاں ہیں وہ زہرہ جبینوں کے غول
بہشتِ نظر، لالہ رُخ، سیم تن
وہ بے ساختہ گفتگو دل نواز
وہ با احتیاطِ ادا بانکپن!

وہ چشمِ جنوں سازِ اہلِ نظر
وہ میری نگاہوں کا دیوانہ پن
ہے انور یہ عالم مرا جس طرح
وطن میں ہو کوئی غریب الوطن

○

شبِ غم گذر چکی ہے، کوئی جان دے چکا ہے
کسے یاد کر رہے ہو، تمہیں اب ملال کیا ہے

ترا جبر غیر فانی، ترا اختیار باقی
ترے جبر کے مقابل، مرا اختیار کیا ہے

غمِ دو جہاں سے بچکر مرے امتحاں کی خاطر
غمِ دو جہاں کے قابل مرا دل بنا دیا ہے

کبھی بھول کر ہی آ جا مرے غمکدے کی جانب
کوئی اپنے عاشقوں کو کہیں یوں بھی بھولتا ہے

درِ اغنیا پہ انورؔ مجھے کیا غرض ہے جاؤں
مرے حق میں تختِ شاہی مرے گھر کا بوریا ہے

یوں بسر میں سحر و شام کئے جاتا ہوں
آپ کے درد کو بدنام کئے جاتا ہوں

جان کر وصل کا انجام بہر حال فراق
حسرتِ دید کو ناکام کئے جاتا ہوں

کیوں ہوں اس فخر سے ابنائے زمانہ محروم
آپ کے ذکر کو میں عام کئے جاتا ہوں

یہ بھی اُن کا ہی کرشمہ ہے مگر میں پھر بھی
شکوۂ گردشِ ایام کئے جاتا ہوں

لاکھ برباد سہی ان کی گذرگاہ تو ہے
احترامِ دلِ ناکام کئے جاتا ہوں

میں کہاں پیروئی میر کہاں اے انور
نسبتِ میر کو بدنام کئے جاتا ہوں

○

نزع میں لب پر اُن کا نام
اے زہے عشقِ خوش انجام

اُف، یہ محبّت کا دستور
مجرم آنکھ ہے دل بدنام

وہ ہیں تجلّی میں ہوں حجاب
اللہ اللہ! میرا مقام

خاص اُٹھے گا کیا کوئی حشر
اُن کا کرم اور اتنا عام!

میرا سجدہ ان کے حضور
نشّۂ پیہم، شکرِ دوام

ان کی حقیقت انور میں
شرحِ حقیقت میرا کلام

○

جھوٹی تسلیوں سے نہ بہلائیے ہمیں
ممنونِ التفات بھی فرمایئے ہمیں

ممکن ہے جلوۂ رُخِ منزل بھی دیکھ لیں
دو چار گام ساتھ تو لے جایئے ہمیں

تا عمر لب پہ حرفِ شکایت نہ آئے گا
جی کھول کر ستایئے تڑپایئے ہمیں

یہ کیا کہ بن کے ساقیٔ مے خانۂ بہار
ایک ایک گھونٹ کیلئے تڑپایئے ہمیں

نظریں ملا کے حشر میں کیوں جُھک گئی نظر
شرمندہ ہو کے آپ، نہ شرمایئے ہمیں

گُم ہو کے میرے حلقۂ چشمِ خیال میں
انور وہ کہہ رہے کہ اب پایئے ہمیں!

○

عبرت کے لئے کتنے دلکش، اس دور میں عنواں ملتے ہیں
کعبے سے صنم خانوں کے لئے، دیں دار نگہباں ملتے ہیں

برباد و پریشاں ہو کر بھی، لپٹی ہے جو سوکھی شاخوں سے
اُس خاکِ نشیمن میں اب تک آثارِ گلستاں ملتے ہیں

عرفانِ خودی کی دُنیا میں دستور یہی ہے ملنے کا
نظروں سے جُدا رہنے والے، نزدیکِ رگِ جاں ملتے ہیں

مخمورِ نظر، ہنستے ہوئے لب، افشاں بہ جبیں، لغزش بہ قدم
ملنے کو تو وہ ملتے ہیں مگر صد حشر بداماں ملتے ہیں

○

گو رُخِ دوست پر نقاب نہیں

دیکھنے کی کسی کو تاب نہیں

حُسن کے بھی تو کچھ تقاضے ہیں

عشق ہی مجرمِ شباب نہیں

جو نظر خود نہ بن سکی جلوہ

میری نظروں میں کامیاب نہیں

یہ بھی میری نظر کا دھوکا ہے

اُن کے رُخ پر کوئی نقاب نہیں

کرم بے حساب تیری قسم

لغزشوں کا مری حساب نہیں

○

دل کے اندر خلشِ دردِ نہاں ہے تو سہی
شکر صد شکر غمِ عشق جواں ہے تو سہی

تم نہ اقرار کرو، اس سے مجھے کیا مطلب
حُسن منّت کشِ چشمِ نگراں ہے تو سہی

چُپ ہوں کیا جانیۓ کیوں ظلمِ فراواں کی قسم
جانتے ہو کہ مرے منہ میں زباں ہے تو سہی

کہکشاں کہتے ہیں جس کو شبِ فرقت کی قسم
سیر گاہِ دلِ صاحب نظراں ہے تو سہی

تُم نہیں فتنۂ آشوبِ جہاں یہ سچ ہے
پھر کوئی فتنۂ آشوبِ جہاں ہے تو سہی

لاکھ اشکوں کو چھپاؤ سرِ مژگاں انور
چشمِ تر میں اثرِ ضبطِ فغاں ہے تو سہی

جو بھڑکاتے رہے کل تک چمن دشمن شراروں کو
بہاروں میں وہی الزام دیتے ہیں بہاروں کو

جنھوں نے خونِ دل سے گلستاں کی آبیاری کی
اُنھیں حق ہے، وہی اپنا سمجھتے ہیں بہاروں کو

گیا صیّاد کا دورِ ستم گلچیں ہوا رخصت
خدا چاہے تو اب آزاد دیکھیں گے بہاروں کو

وہ کم قسمت کبھی لطفِ بہاراں پا نہیں سکتے
بہاروں میں بھی ہیں جو ڈھونڈھنے والے بہاروں کو

نگاہیں اُٹھ رہی ہیں پھر اِدھر صیّاد زاروں کی
ہمارا فرض ہے محفوظ رکھیں ہم بہاروں کو

جنھوں نے پرورش پر بے محابا آگ برسائی
کوئی پوچھے کہ وہ کیوں یاد کرتے ہیں بہاروں کو

چمن کی آبرو پر جان کی بازی لگائی ہے
ہمیں رُوحِ چمن ہیں، ناز ہے ہم پر بہاروں کو
اسے جانے نہ دیں گے عمر بھر صحنِ گلستاں سے
بُلایا ہے ہزاروں سختیاں سہہ کر بہاروں کو
شرف وابستگی کا ہے چمن سے اس قدر حاصل
نہ بھولوں گا پسِ مُردن بھی میں انور بہاروں کو

○

بنامِ امن تراشے ہیں ہم نے جنگ کے بُت
حماقتوں کا ہماری جواب کیا ہوگا
اک انقلاب کا انجام دیکھنے والو!
ہوا جو اور کوئی انقلاب کیا ہوگا

○

روشنی جس کی زمانے کو اُجاگر کردے
مہر و اخلاص کا وہ نُور نہیں ہے ہم ہیں

ذکرِ منصور سے لیتے ہیں فقط درس "انا"
احترامِ دلِ منصور نہیں ہے ہم ہیں

ذہن، سرمایہ پرستی کا مخالف ہی سہی
کون خود قیصر و فغفور نہیں ہے ہم ہیں

جلوۂ یار کے دیدار کی حسرت ہے مگر
اثرِ جلوہ گرِ طور نہیں ہے ہم ہیں

ہوس انگیز ہے ہر ایک تقاضائے نظر
عشق کا جوہرِ مستور نہیں ہے ہم ہیں

ذکرِ دشواریٔ منزل کا بہر گام نہ کر
دیکھ عزمِ سفرِ شوق کو بدنام نہ کر

آ گئے وادیٔ مقصود کے آثار قریب
تجھ کو ہمت کی قسم ہے ابھی آرام نہ کر

بارہا تو نے ہی تقدیرِ جہاں بدلی ہے
دل میں پیدا خلشِ گردشِ ایام نہ کر

بزمِ کونین کا ہر ذرہ ہے تیری میراث
خود کو بیگانہ احساسِ غمِ عام نہ کر

پیچ و خم راہ میں آتے ہی رہیں گے لاکھوں
دورِ آغاز میں اندیشۂ انجام نہ کر

○

عینِ حقیقت ہے یہ فسانہ
وہ ہیں چراغ اور ہیں پروانہ

ہائے یہ دُنیا، اُف یہ زمانہ
ہر دل ہے، دل سے بیگانہ

میرے لئے اجزائے ایماں
ساقی، صہبا، خُم، پیمانہ

خُود بھی نہیں معلوم انھیں کیوں
دیکھ رہا ہوں بے تابانہ

صحنِ چمن سے کُنجِ قفس تک
پہونچا لے کر آب و دانہ

کاش یہ سوچیں کعبے والے
پہلے حرم بھی تھا بُت خانہ

○

سن کے میرے الم کے افسانے
کیوں وہ ہنستے رہے، خدا جانے

ڈھل رہے ہیں تری نگاہوں میں
زندگی کے ہزار مے خانے

نظمِ محفل کا حال کیا ہوگا
شمع خود بن گئی جو پروانے

دیکھیے ہوش میں کب آئیں گے
ان کی مست انکھڑیوں کے دیوانے

کارواں کا قصور کیا ہے کہ خضر
اپنی منزل کو خود نہ پہچانے

مختلف روپ سب حرم کے ہیں
لوگ کہتے ہیں جن کو بت خانے

○

عشق کے دل کی متاعِ غم بھی اب بکنے لگی
آبروئے دیدۂ پُرنم بھی اب بکنے لگی

نام لیکر انقلابِ گردشِ ایّام کا
سادگیٔ گیسوئے برہم بھی اب بکنے لگی

سیم وزر کی گرم بازاری، الٰہی الاماں!
بے تردّد عظمتِ آدم بھی اب بکنے لگی

پہلے پھولوں کی تجارت گلستاں میں عام تھی
دلکشیٔ گوہرِ شبنم بھی اب بکنے لگی

کس قدر ناقدر انور اب ہے ماحولِ حیات
فطرتِ احساسِ بیش و کم بھی اب بکنے لگی

پھر کوئی بادہ نوش ہو کہ نہ ہو
پھر یہ جوش و خروش ہو کہ نہ ہو

تیز ہے نبضِ گردشِ ایّام
فرصتِ نائو نوش ہو کہ نہ ہو

آؤ تزئینِ کائنات کریں
عقل کو پھر یہ ہوش ہو کہ نہ ہو

کریں عجلت خریدنے والے
پھر کوئی دل فروش ہو کہ نہ ہو

کیا خبر ہے چمن میں میرے بعد
فصلِ گُل کا یہ جوش ہو کہ نہ ہو

اب بھی توبہ کرو کہ پھر رحمت
جرم کی پردہ پوش ہو کہ نہ ہو

○

کیوں ہے رُخِ قسمت پہ شکن ، میں نہیں کہتا
افسانۂ تاراجِ چمن ، میں نہیں کہتا

ہر لفظ میں ہے جس کے یگانوں کی نوازش
غم ناک وہ رودادِ کہن ، میں نہیں کہتا

دُنیا کی زباں ، لاکھ کہے موسمِ گُل کو!
گلشن کی بہاروں کا کفن، میں نہیں کہتا

درپیش ہے کیوں آج بھی اربابِ وفا کو
اک مرحلۂ دار و رسن ، میں نہیں کہتا

اُس برق کو بلتی ہے جو آغوشِ چمن میں
آتش نفس و شعلہ فگن ، میں نہیں کہتا

جو بارِ گرانِ دلِ محبوب ہو انور
پردے میں غزل کے وہ سخن میں نہیں کہتا

○

جب سے بدلا ہے رنگ دنیا نے
تھے جو اپنے ہوئے وہ بیگانے

ہر زباں پر ہے داستاں میری
اک محبّت ہے لاکھ افسانے

المدد اے نگاہِ عقل شکن
ہوش میں آ چلے ہیں دیوانے

کہیں ملتی نہیں بشر کو نجات
ہوں وہ آبادیاں کہ ویرانے

اور کیا کچھ دکھائے گا انور
انقلابِ جہاں خدا جانے

○

درحقیقت وہ حقیقت آشنا ہوتا نہیں
بُتکدوں میں جس کو عرفانِ خدا ہوتا نہیں

آدمیّت کا ابھی تک نامکمل ہے شعور
ورنہ اس دنیا میں ہونے کو تو کیا ہوتا نہیں

ترجمانِ دل یہاں ہے کون نظروں کے سوا
عشق کا مفہوم لفظوں میں ادا ہوتا نہیں

کیا تری دنیا میں یارب ہیں کچھ ایسے بھی غریب
تو بھی جن کی زندگی کا آسرا ہوتا نہیں

فصلِ گل میں گُل سے گُل دست و گریباں ہو گئے
حادثہ ایسا کسی جا رُونما ہوتا نہیں

فرضِ یزداں کا تو پھر ہوتا نہیں پیدا سوال
فرضِ انساں ہی جب اِنساں سے ادا ہوتا نہیں

اے نگاہِ شوق اب تیری ضرورت ہے مجھے
عشق کا مفہوم ہونٹوں سے ادا ہوتا نہیں

بارہا ایسا بھی ہوتا ہے حریم ناز میں
سامنے رہتے ہیں وہ اور سامنا ہوتا نہیں

اس لئے کرتا ہوں انور سازِ دل کا احترام
ٹوٹنے کے بعد بھی یہ بے صدا ہوتا نہیں

○

پیاس آنکھوں کی بجھا کر دل کو تڑپانا ذرا
آستیں سے منہ چھپا کر پھر تو شرمانا ذرا

پھر سُنا نا طُور کے جلنے کا افسانہ ذرا
میں بھی ہمّت آزمالوں سامنے آنا ذرا

پھر مجھے غیرت دلاتا ہے دلِ ساحل طلب
ناخدا کشتی کو طوفانوں سے ٹکرانا ذرا

○

انقلابِ سحر و شام وہی ہے کہ جو تھا
اثرِ گردشِ ایّام وہی ہے کہ جو تھا
موسمِ گُل میں بھی بدلا نہیں گلشن کا نظام
ہر طرف رنگِ خزاں عام وہی ہے کہ جو تھا
کوئی عنوانِ سکونِ دلِ بُلبل ہی نہیں
اہتمامِ قفس و دام وہی ہے کہ جو تھا
مطمئن خاطرِ صیّاد ہے، گلچیں مسرور
اُن کی تقدیر میں آرام وہی ہے کہ جو تھا
حسنِ آغازِ وفا جذبۂ اخلاصِ حیات
وقفِ اندیشۂ انجام وہی ہے کہ جو تھا
عقل و ادراک کا ہر ولولۂ ذوق و یقیں
کشتۂ خنجرِ اوہام وہی ہے کہ جو تھا

○

حیات بوجھ تھی سر پر اُتارتے ہی رہے
گذارنے کیلئے دن گذارتے ہی رہے

سحر کے ساتھ ترا انتظار ختم ہوا
تمام رات ستارے پکارتے ہی رہے

وہ یادِ منزلِ حیرت ہے آج تک کہ جہاں
ملا نہ خضر مسافر پکارتے ہی رہے

تھے لاکھ عشق کی بازی میں جیت کے پہلو
ہم انور اُن کی رعایت سے ہارتے ہی رہے

○

سکونِ دل حیاتِ آرزو، روحِ نظر جانا
انھیں اپنا بہر عنواں ہم نے عمر بھر جانا
جہاں خود خضرِ منزل راہِ منزل بھول جاتا ہے
ہمیں آتا ہے اُن پُرپیچ راہوں سے گذر جانا
بڑھے حد سے جب اپنی کس مپرسی کا مری عالم
تم آنا اور کہانی زندگی کی ختم کر جانا
کبھی یہ رنگ، شب بھر کھیلنا تاروں کی محفل سے
کبھی یہ حال، خود اپنی ہی پرچھائیں سے ڈر جانا
اسی کا نام ہے مجبوریٔ دل، ان کے کوچے میں
نہ جانے کی قسم سو بار کھا لینا مگر جانا
کیا جس کی نظر کو پیار انور ان کی نظروں نے
اُسی کو دیکھنے والوں میں ہم نے معتبر جانا

○

راحتِ جاں مونسِ قلب و جگر بن جائیے
میرا دل بن جائیے میری نظر بن جائیے

اِن اندھیروں سے بہت اُکتا چکی ہے زندگی
غم کی راتوں میں مسرت کی سحر بن جائیے

جو مشیت کی عنایت سے ابھی مایوس ہیں
اُن غریبوں کی دعاؤں کا اثر بن جائیے

ذرّہ ذرہ کی جبیں میں نور بھرنے کیلئے
آسمانِ شوق کے شمس و قمر بن جائیے

جا رہا ہے سوئے منزل کاروانِ انقلاب
زندہ رہنا ہے تو بڑھ کر ہمسفر بن جائیے

○

تقاضائے غمِ دنیا جو پہلے تھا سو اب بھی ہے
وہی دن رات کا رونا جو پہلے تھا سو اب بھی ہے

ہزاروں مشکلیں سہہ کر بھی ہمت کم نہیں دل کی
سر پر شوق کا سودا جو پہلے تھا سو اب بھی ہے

مذاقِ زندگی کو غیر فانی کر دیا جس نے
شہادت کا وہی چسکا جو پہلے تھا سو اب بھی ہے

رہا ہو کر سمجھتا ہوں اسیری اِس سے بہتر تھی
وہی صیّاد کا کھٹکا جو پہلے تھا سو اب بھی ہے

ہجومِ یاس سے انورؔ نہ گھبرایا نہ گھبراؤں
وہی ہمّت، وہی جذبہ، جو پہلے تھا سو اب بھی ہے

باوصفِ ہجومِ غم و آلام ہیں چُپ ہوں
ہے دشمنِ جاں گردشِ ایام ہیں چُپ ہوں
منزل پہ پہونچنے کی تمنا کے سہارے
درپیش ہے گو مشکلِ ہر گام ہیں چپ ہوں
رکھتے ہیں مری ذات پہ گو اہلِ زمانہ
ناکردہ گناہوں کا بھی الزام ہیں چُپ ہوں

وہ تصور میں بھی دیکھنے کو میری بزمِ چراغاں نہ آئے
اشکِ رنگیں سے پلکوں پہ اپنی رات بھر میں نے دیپک جلائے
دیکھنا ہم صفیرانِ گلشن، غیرتِ بال و پر سو نہ جائے
اندلو ہیں قفس کی فضا ہر چند شاداب پھولوں کے سائے
رہنما کے فریبِ نظر میں روحِ عزمِ سفر کھو نہ جائے
عکسِ منزل سمجھ کر رہِ روِ شوق دھوکہ نہ کھائے

فضائیں از سرِ نو تازگی بھی آئے گی
الم نصیب لبوں پر ہنسی بھی آئے گی

نیا نیا ہے ابھی خاکۂ نظامِ چمن
بنامِ حُسنِ نظر، پختگی بھی آئے گی

اجل قریب کبھی جس کے آ نہیں سکتی
خدا کے فضل سے وہ زندگی بھی آئے گی

غمِ حیات کا کب تک کرینگے ہم ماتم
تلاش کرتی ہوئی خود خوشی بھی آئے گی

مرا یقیں ہے کہ ہر آدمی کے سینے میں
محبتِ دلِ ہر آدمی بھی آئے گی

○

کوئی سامانِ فریاد و فغاں باقی نہ رہ جائے
جلا یوں سوزِ غم سے دل دھواں باقی نہ رہ جائے

سمجھ میں آ نہیں سکتی خدا کے نام کی عظمت
تصوّر میں اگر یادِ بتاں باقی نہ رہ جائے

علاجِ دردِ دل کرنا تو پھر یہ سوچنا کیسا
کہاں باقی رہے دل میں، کہاں باقی نہ رہ جائے

اگر میں ہی حجاب درمیاں ہوں انکے ملنے میں
تو پھر یہ بھی حجابِ درمیاں باقی نہ رہ جائے

مری خواہش ہے ہندی کو بھی اپنی ہی زباں سمجھوں
انھیں ضد ہے کہیں اردو زباں باقی نہ رہ جائے

فلک کے تاروں سے کھیلتا ہوں، بہشت زاروں سے کھیلتا ہوں
وہ جن بہاروں کی زندگی ہیں، میں اُن بہاروں سے کھیلتا ہوں

مری نگاہوں کی روشنی بھی انھیں کا اک پرتوِ حسیں ہے
جو اُن کے آئینۂ نظر ہیں انھیں نظاروں سے کھیلتا ہوں

اِسی بہانے سے ڈھونڈتا ہوں حیات اور موت کی حقیقت
کبھی تلاطم سے کھیلتا ہوں، کبھی کناروں سے کھیلتا ہوں

یہ وہ ریاکار ہیں کہ جن میں صداقتِ دل نہ مل سکے گی
میں پارساؤں سے بچ کے انور گناہگاروں سے کھیلتا ہوں

○

جادۂ عشق میں اک وہ بھی مقام آتا ہے

راہرو کے لئے منزل کا سلام آتا ہے

وجہ آشوبِ جہاں پوچھ رہی ہے دُنیا

لب پہ کیا جانیے کیوں آپکا نام آتا ہے

یہ بھی ساقی کا حقیقت میں ہے فیضانِ نظر

ذکر سُنتے ہی مرا وجد میں جام آتا ہے

مطمئن ہے پرِ بے بالی پہ ہوں یوں ہم نفسو

وقفِ پرواز ہی اکثر تہہ دام آتا ہے

دلِ ناکام سہی پھر بھی تو میرا دل ہے

یہی کم بخت بُرے وقت میں کام آتا ہے

○

یہ مانتا ہوں مکمل نہیں مگر اے دوست
چمن امید کا وابستۂ بہار تو ہے

چمن کے نام پہ صدیوں کے بیقراروں کو
نہیں قرار نہ ہو حسرتِ قرار تو ہے

حقیقتاً نہ سہی جلوۂ فروغِ چمن
سکونِ دل کو بعنوانِ مستعار تو ہے

نہیں ہے صحبتِ سرو و سمن نصیب نہ ہو
تصورِ گل و لالہ سرور بار تو ہے

میں یونہی خوش ہوں بہر حال جانِ محفل کو
مرا نہیں ہے حریفوں کا اعتبار تو ہے

وہ دور جس میں چمن کا نظام بدلے گا
بہت دنوں سے مجھے اسکا انتظار تو ہے

ظلمتیں، ظلمتیں، تیرگی، تیرگی
ساقیا، ساقیا، روشنی، روشنی

تیری معصوم بیگانگی کے سوا
کون جانے مرا عالمِ بے کسی

موجِ مے کی قسم تجھ کو پیرِ مغاں
گردشِ جام ہی تک رہے زندگی

چارۂ دردِ دلِ زار کی کیا فکر کروں
ہے مرا زخمِ نظر بھی تیری نظروں کا فسوں

بارہا مجھ سے یہ کہتا ہے مرا فرضِ حیات
وقت کے تازہ مسائل سے خبردار رہوں

وہ جو اک راز ہے مدت سے مرے سینے میں
سوچتا ہوں اسے، تجھ سے بھی کہوں یا نہ کہوں

○

شبِ خموش کے تارے سلام کہتے ہیں
یہ نیم خواب نظارے سلام کہتے ہیں

جہاں چناب کی موجیں بجا رہی ہیں رباب
وہ دل نواز کنارے سلام کہتے ہیں

وہی نظر جو نہیں خواب آشنا اب تک
اُسی نظر کے اشارے سلام کہتے ہیں

جنھیں تڑپ کے سوا اور کچھ نہیں حاصل
وہی فراق کے مارے سلام کہتے ہیں

تری نگاہِ تغافل کا واسطہ دے کر
شکستہ دل کے سہارے سلام کہتے ہیں

○

ہر منظرِ لطیف گراں ہے ترے بغیر
صبحِ بہار، شامِ خزاں ہے ترے بغیر

مانا سکونِ دل پہ ہے موقوف زندگی
لیکن سکونِ دل ہی کہاں ہے ترے بغیر

پورے شباب پر ہے جگر کا ہر ایک داغ
غم کی خلشِ ہنوز جواں ہے ترے بغیر

میری نظر تغافلِ پیہم کے باوجود
بیتاب و اضطراب بجاں ہے ترے بغیر

نام اِس کا کچھ مقامِ جنوں کے سوا نہیں
وہ سامنے ہیں، میں انھیں پہچانتا نہیں

اپنوں کے التفات کا مارا ہوا ہوں میں
غیروں سے کوئی شکوۂ جور و جفا نہیں

اُن کو ملی ہے مسندِ بزمِ نشاطِ گل
جن کے دل و نگاہ چمن آشنا نہیں

یوں میری بے کسی کا اُڑاتے ہیں وہ مذاق
جیسے سمجھ لیا ہے کہ میرا خدا نہیں

شایانِ التفات سمجھتے ہیں جس کو آپ
شاید وہ التجا بھی میری التجا نہیں

آغازِ فصلِ گل کو سمجھتا ہے زندگی
انجامِ گلستاں سے جو واقف ہوا نہیں

طوفاں سے کیوں بچائے سفینے کو ناخدا
وہ موج کون سی ہے جو موجِ بلا نہیں

وابستہ ہیں جو صرف تمہاری جفا کے ساتھ
ان واقعات کو میں ابھی چھیڑتا نہیں

پہلے سنو، فسانۂ آلامِ روزگار
ہے کون سا ستم جو فلک نے کیا نہیں

میں ہوں جبینِ عشق کا وہ نقشِ جاوداں
جو آج تک کسی کے مٹائے مٹا نہیں

دُنیا کو ہو گئی ہیں غلط فہمیاں تو ہوں
میرا یہی خیال ہے، تم بے وفا نہیں

انور تلاشِ جلوہ گہِ دوست کیا کرے
وہ گم نصیب جس کو خود اپنا پتہ نہیں

○

میرا عکسِ زندگی کل کائنات
حسنِ کامل کا حسیں پرتو ہوں میں

وجہِ آشوبِ جہاں میرا جلال
شمعِ ہستی کی بھڑکتی لو ہوں میں

انبساطِ روح و دل میرا جمال
عارضِ فطرت کی ٹھنڈی ضو ہوں میں

بہہ رہی ہے بزمِ امکاں میرے ساتھ
بحرِ ایمان و یقین کی رو ہوں میں

انقلابِ تازہ جس کا پیش رو
ہوشیار اے وقت، عصرِ نو ہوں میں

ہزار بار جہاں لُٹ چکے وہیں جائیں
کہاں تک اے دلِ بیتاب تجھکو سمجھائیں

ہماری سمت ذرا دیکھکر یہ فرمائیں
جنھیں ہو دید کی ہمت وہ سامنے آئیں

اِدھر اُدھر ہی رہے کیوں رُخِ تبسمِ ناز
کبھی ہماری طرف بھی وہ پھول برسائیں

انھیں اربابِ ہمت کے قدم لینا ہے خود ساحل
جنھیں آتا ہے طوفانوں سے ٹکرا کر گزر جانا

تغافل کا گلہ ان سے نہیں، اپنی شکایت ہے
ہمیں نے وعدۂ فردا کو ان کے معتبر جانا

ترے وابستگانِ غم کو تیرے ہر اشارے پر
کبھی دشوار ہے جینا، کبھی آساں ہے مر جانا

قطعات

یہ حسیں رات یہ ماہ و انجم
جانے کیوں یاد آنے لگے تم
ہلکا ہلکا لبوں پر تبسم
جیسے دریا کا مدہم تلاطم
وہ نگاہوں کا دلکش تصادم
زندگی زندگی میں ہوئی گم

ہوس کی مرگ ساماں وسعتوں میں
حیاتِ عشق کے سامان کم ہیں
فرشتے جن کے نقشِ پا کو ڈھونڈھیں
نئی دنیا میں وہ انسان کم ہیں

شدتِ غم اس قدر احساسِ دل پر چھا گئی
زندگی کو موت کے آغوش میں پہونچا گئی
دیکھنا یوں بند ہو جائیں گی آنکھیں ایک دن
آپ سمجھیں گے بہت آرام سے نیند آ گئی

ڈھونڈتی ہے نگاہ چار طرف
غم شناسا نظر نہیں آتا
ہائے بیگانگی اہلِ جہاں
کوئی اپنا نظر نہیں آتا

○

علم و دانش کا یہی مفہوم ہے
زندگی بھر قدرِ فن کرتے رہو
عظمتِ ہندوستاں کے نام پر
کارِ تعمیرِ وطن کرتے رہو

○

زندگی کا ایک دلکش رُخ ضرور
مانتا ہوں کہ ہے "رومان" بھی
لیکن اِس سے بھی مقدم اے عزیز
فرضِ انساں ہے رہے انسان بھی

○

ہم اسے خلوتِ شبِ غم میں
مونسِ زندگی سمجھتے ہیں
عارضِ حُسن کا مرقع ہے
سب جسے چاندنی سمجھتے ہیں

○

ہر طرف ہیں چمن میں پھیلے ہوئے
شبِ طُور و کلیم کے سائے
یہ بھی ہے آپ ہی کا رنگِ جمال
چاندنی کو نظر نہ لگ جائے

چار شعر

وہ نہ کریں تکلیفِ تلافی
نعمتِ غم بھی ہے مجھے کافی

ساتھ ہیں دونوں روزِ ازل سے
میری دعائیں انکی معافی

چھیڑ نہ دے افلاک کا سینہ
آہِ رسا کی عرش شگافی

فاش نہ کر دے رازِ بہاراں
مصحفِ گل کی تنگ غلافی

○

جس غم کے لئے تیار نہ تھے افسوس وہ غم بھی دیکھ لیا
کانٹوں کی عنایت کے صدقے پھولوں کا ستم بھی دیکھ لیا
دونوں میں کسی عنوان سے بھی انور کو سکونِ دل نہ ملا
آغوشِ صنم بھی دیکھ لیا دامانِ حرم بھی دیکھ لیا

اِس دور کا ہر جابر انساں مجبور کو دھوکا دیتا ہے
جمہور کا خدمت گار ہی خود جمہور کو دھوکا دیتا ہے
الفاظ کے گورکھ دھندوں میں انسان پھنسائے جاتے ہیں
مزدور نما دولت والا ، مزدور کو دھوکا دیتا ہے

ایثارِ وفا اخلاصِ عمل ایمان خریدا جاتا ہے
افسانۂ ہستی کا ہر اک عنوان خریدا جاتا ہے
بازارِ جہاں میں فطرت کا یہ رنگِ مشیت کیا کہئے
انسان خریدا کرتے ہیں انسان خریدا جاتا ہے

وہ دور بہت نزدیک ہے، جب ہوش آئے گا انسانوں کو
مجبور کی آہیں پھونکیں گی، زردار کے عشرت خانوں کو
الفاظ کا جادو ٹوٹے گا، دھوکوں کی فضا چھٹ جائیگی
تعلیمِ خرد حاصل ہو گی دیوانوں سے دیوانوں کو

نہ آتے یاد وہ دل کو پریشانی ہی کیوں ہوتی
جنونِ شوق کی آشفتہ سامانی ہی کیوں ہوتی
بکھرتیں گر نہ ان کے دوش پر وحشت اثر زلفیں
مچلتی کیوں طبیعت، عقل دیوانی ہی کیوں ہوتی